ہر ماہ کی ۷-۱۴-۲۱-۲۸ تاریخ کو قادیان سے

فاروق
(قادیان)

ایڈیٹر میر قاسم علی احمدی

جلد (۱۳)	قادیان دارالامان مورخہ ۶-۱۳-۲۰ ستمبر ۱۹۲۸ء	نمبر ۲۱-۲۲-۲۳

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نغمۂ روح

(از ایم عبدالمجید طالب علم احمدی جہلمی حال مزنگ لاہور)

تُو ور نظر آئے مرے دیدۂ تریں — تاثیر کہاں ہے یہ دعاؤں کے اثر میں
ا[illegible] کاش ہو مجھ پر بھی تری نظر عنایت — اے کاش سما جائے تو دل اور جگر میں
توا[illegible] تجلی کی جھلک مجھ کو دکھا دے — اب تو یہی ہر وقت ہے سودا مرے سر میں
ممکن ہے کہ ہو جائے مداوا مرے دل کا — بھولے سے جو آئیں وہ دل خاک بسر میں
[illegible] جرعۂ تسکین عنایت ہو مجھے بھی — اک ٹیس سی رہتی ہے دل خاک بسر میں
ممکن ہو تو اے شاہِ امم میری خبر لو — میں بھی ہوں گرفتار مصائب کے بھنور میں
مجھو ماکرو کیفیتِ صہبا کے اثر سے — چھا جائے خمار اتنا تو پر کیف نظر میں
ا[illegible]م کی نظروں سے عنایت ہو کرم ہو — اب ضبط کی طاقت کہاں بیمارِ نظر میں
تیرا ہی پرستار ہوں تیرا ہی پجاری، — مٹ جاؤنگا اک روز تری راہ گذر میں
تیری ہی ضیاؤں سے منور ہے ہر اک دل — تیرا ہی تو پرتو ہے جو روشن ہے قمر میں
دیکھے تو کوئی دیکھنے والا ترے جلوے — اک جلوۂ معصوم ہے ہر برگ و شجر میں
تو دائی کوثر ہے۔ تو ہے صاحب معراج — سو عرش جھلکتے ہیں تری مست نظر میں
مل جائیگی اک روز مجھے بھی مئے وحدت — طالب ہے کمی کیا مرے اللہ کے گھر میں

مستریوں کی کذب بیانی

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔

مستریاں شین سیوبال اپنے اشتہاروں میں لوگوں کو یہ دھوکہ اور فریب دیتے ہیں۔ کہ ہمارے ساتھ شملہ کے بعض احمدی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے بدظن ہوئے۔ اور اونہوں نے میاں صاحب سے سوالات کا حل چاہا۔ چنانچہ ”کھلی چٹھی“ میں زاہد اور پہلے اشتہار میں اوس کا بھائی عبدالکریم اور ”انکشاف حقیقت“ میں اُس کا باپ مستری فضل کریم یہی لکھتے ہیں۔ کہ

”اُن لوگوں نے جو شملہ میں رہنے والے ہیں۔ بمقام شملہ جبکہ آپ (میاں صاحب) بھی وہیں مقیم تھے۔ ان اہم سوالات کا حل کرنا ضروری خیال کیا“

جس سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ مستری خاندان قادیان تو صرف مذبذب اور مشکوک ہی تھے۔ شملہ والے خدا جانے کتنے لوگ ایسے یقین کامل پر پہنچ گئے۔ کہ وہ ان سوالات لاینحل کا حل کرانے پر بیقرار تھے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو یہ خیال نہ ہو۔ کہ زاہد صاحب ہی تولی کبرہ منہم کے مصداق ہیں۔ بلکہ کثیر جماعت ان جیسے پاکیزہ خیال شملہ میں بھی موجود ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور جماعت شملہ پر افتراء ہے۔ جماعت شملہ کے مبائعین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں۔ ورنہ نام بتائیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ بابو عبدالحمید صاحب جو شملہ میں ملازم تھے۔ وہ مستری عبدالکریم برادر زاہد کے ہمزلف ہیں۔ ستمبر ۲۷ء میں یہ دونوں بھائی شملہ پہنچے۔ تو انہوں نے پہلے بابو عبدالحمید صاحب اور بابو غلام احمد صاحب کو جو دفتر آب و ہوا شملہ میں ملازم تھے۔ بڑی چالبازیوں اور افتراؤں اور فریبوں سے متاثر کیا۔ اور وہ دونوں ابتلاء میں آ گئے۔ بجز ان دو کے اور کوئی شخص جماعت شملہ کے مبائعین سے ان کے دام فریب میں نہ پھنسا۔ ان دونوں بابو عبدالحمید و بابو غلام احمد صاحبوں میں سے صرف ایک بابو عبدالحمید صاحب ہمزلف مستری عبدالکریم نے ہی عبدالکریم اور زاہد کی انگیخت سے جوش میں آ کر بعض خطوط حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ کو لکھے۔ جن کے جواب میں حضور نے بابو عبدالحمید صاحب کو شملہ سے واپس آ کر ایک لمبا مفصل خط تحریر فرمایا۔ جس کی ابتداء یوں ہے۔ کہ۔

"آپ کے دو خطوط شملہ میں اور دو قادیان میں ملے۔ میں شملہ میں ہی جواب لکھ دیتا۔ لیکن وہاں کے تمام وہ شخص جو میرے پاس آتے تھے جانتے ہیں۔ کہ وہاں مجھے کس قدر کم فرصت رہی ہے۔ یہاں آ کر بھی کام کی زیادتی کے علاوہ صحت کی خرابی موجب التواء رہی۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ آپ نے صبر سے کام نہیں لیا اور وہ طریق اختیار کیا ہے۔ جسے گو آج جوش میں صحیح سمجھتے ہوں۔ لیکن ایک دن اس پر آپ کو افسوس ہوگا۔ خدا کرے کہ وہ افسوس اس وقت پیدا ہو جبکہ افسوس نفع بخش ہو سکے"

اس خط کے پہنچنے سے چند دن بعد بابو عبدالحمید صاحب۔ اور انکے دوست بابو غلام احمد صاحب شملوی بھی تائب ہو گئے۔ لیکن مستریاں شین سیو یا برابر آج تک مشہر بابو عبدالحمید صاحب شملوی کی اس غلطی سے کہ انہوں نے بعض خطوط حضرت صاحب کو جوش میں آ کر لکھے۔ ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے اشتہارات بیانات میں کذب بیانی سے کام لیکر یہی کہے چلے جاتے ہیں۔ کہ شملہ کے بعض لوگ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ سوائے ایک بابو عبدالحمید صاحب و بابو غلام احمد صاحب شملوی کے جن کو عبدالکریم و زاہد نے ہی دہوکہ دیا تھا۔ اور وہ چند دن بعد ہی تائب ہو گئے تھے۔ ایک بھی شخص شملہ میں نہ ان کا ہمخیال تھا۔ اور نہ ہے۔

بابو غلام احمد شملوی کا خط

چنانچہ ہمارے اس بیان کی تصدیق کہ یہ فتنہ شملہ میں زاہد و عبدالکریم کے وجود سے پیدا ہوا۔ حال کے ایک تازہ خط سے بھی جو بابو غلام احمد صاحب شملوی نے اس فتنہ کی ابتداء کے متعلق ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کو لکھا ہے۔ ہوتی ہے جسمیں سے بعض اقتباسات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ بابو صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"بعض فتنہ پرداز لوگ لاہوری اثر کے ماتحت سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان اور حضور خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ کے خلاف گندہ اور زہریلا پروپاگنڈا پھیلا رہے ہیں۔ اور اس فتنہ کا بانی مبانی بعض نام نہاد احمدیوں یا مبائعین کو بتایا جاتا ہے۔ جو کہ سر تا پا غلط ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو پہلے معترض تھے۔ وہ اب اپنے آپ کو غلطی خوردہ سمجھکر حضور سے عفو کے ملتجی ہوئے۔ اور حضور نے از راہ کرم ان کو معاف فرما دیا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ لوگ کیوں ابتک یہ بیانات ہماری طرف منسوب کر کے عوام الناس کو دہوکہ دیتے ہیں۔ چونکہ بعض الزامات کا عاید کرنیوالا یا کرنے والوں سے تعلق رکھنے والا راقم الحروف کو ہی بتایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ میرا فرض ہے۔ کہ میں انکے بیانات کی تردید کر دوں کہ میرا جماعت منافقین سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے دہوکہ میں آ کر کچھ دنوں ان لوگوں سے تعلق رکھا۔ جو کہ حضور پر الزام لگاتے تھے۔ لیکن جب میں معاملہ کی حقیقت سے آشنا ہو گیا۔ اور جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو فوراً حضور سے عفو کا ملتجی ہوا اور خدا کے فضل سے اب میں حضور کا عقیدتمند ہوں"

مذکورہ بالا فتنہ حضور خلیفۃ المسیح ثانی کی شملہ تشریف آوری پر شملہ ہی سے اٹھا۔ چونکہ میں شملہ کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا تعلق ان افراد سے مدت دراز سے چلا آتا ہے۔ جو کہ اس فتنہ کے اٹھانے والے تھے۔ اس لئے بد قسمتی سے اس ابتلاء میں مبتلاء ہو گیا۔

جسوقت یہ فتنہ اٹھا۔ اس وقت ایک شخص قادیان سے شملہ آیا۔ جس کو کہ اس فتنہ کا سرغنہ کہنا چاہیئے۔ اس شخص نے اور اس کے رفقائے مکار نے عجب چالبازی سے بعض کو پھانسا۔ اور اسی چالبازی اور چرب زبانی کا راقم الحروف بھی شکار ہوا۔ اوّل اوّل تو مجھے ان کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ خاص وجوہات کے باعث سے احمدیت سے منحرف ہو گئے ہو۔ اس لئے تم سلسلہ احمدیہ کو بدنام کرنے کے درپے آزار ہو۔ اس پر انہوں نے وہ بیان دیا جو کہ بعد میں انکے کاذب ہونے کی قطعی دلیل ہو گیا۔ ان لوگوں کے موجودہ رویہ اور واقعات اور دشمنان احمدیت سے سازو باز سے اب دنیا واقف ہو گئی۔ اب انکی منافقت کا کافی سے زیادہ ثبوت مل گیا ہے۔ اور یہی انکے کاذب ہونے کی بین دلیل ہے۔

یہ لوگ غیر احمدی اور لاہوری جماعت سے ملے ہوئے تھے۔ اور ان سے اکثر سازو باز کرتے تھے۔ واضح رہے وہ مجھے رازدان سمجھتے تھے۔ اور اکثر خطوط میرے سامنے لکھے گئے۔ دو تین خط میں نے بھی لکھے۔ ایک پیغام صلح میں شائع بھی ہوا تھا۔ لاہور خط لکھے جاتے تھے اور انکے جواب بھی آتے تھے۔ اکثر خطوط میں مشورہ بھی دیا جاتا تھا۔ فوجداری مقدمہ کے سلسلہ میں مولوی عبدالکریم صاحب (برادر محمد زاہد) مولوی عبدالرحمٰن صاحب (غیر مبائع شملوی) کی معرفت صدیق احمد ولد مولوی عمرالدین صاحب سے خط و کتابت کرتے تھے۔ ایک دفعہ صدیق احمد کو گواہی دینے کے لئے (بٹالہ) میں بلایا گیا۔ عبدالکریم ریل کا کرایہ اور خرچ روانہ وقت پر نہ کر سکے۔ اسوقت مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی جیب سے صدیق احمد کو ریل کا کرایہ اور خرچ دیا۔ اسکے علاوہ صدیق احمد کو ڈھونڈنے کے لئے مولوی صاحب موصوف کو بہت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاروق

قادیان دارالامان مورخہ ۶/۱۳ ستمبر ۱۹۲۸ء

فتنہ مستریان کے صحیح واقعات اور مخفی رازوں کے انکشافات

کچھ عرصہ سے مستریان مشین سیویاں قادیان کی طرف سے ایک فتنہ اٹھا ہوا ہے جس کے متعلق "رئیس الاشرار" زمیندار اور دیگر آریہ اخبار اور منافقین نابکار نے طرح طرح کے مضامین افترا پردازیوں سے پُر لکھ لکھ کر سلسلہ عالیہ احمدیہ کو بدنام کرنے کی غرض سے اپنا خون پانی کر کے بہا رکھا ہے۔ گو وہ اپنے منصوبوں میں خسر الدنیا والآخرۃ ہی ہوئے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہینگے لیکن مستریان مذکور چونکہ بار بار ایسی تحریریں بذریعہ اشتہارات وغیرہ منافقین کی سازش اور ایما سے اور فاسقین کی امداد و منشاء سے شائع کرتے رہتے ہیں جس سے ممکن ہے کہ بعض ضعیف الایمان اور مریض القلب انسان دھوکہ میں آ جائیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ مختصراً اس فتنہ کی "اصل حقیقت" ظاہر کر دوں۔ تاکہ مومنین کے ازدیاد ایمان اور منکرین کیلئے وبال جان اور حاسدین کے حق میں الٰہی نشان کا موجب ہو۔ بالاصل حقیقت کے اظہار سے قبل فتنہ انگیز مفتنین سے ناظرین فاروق کو انٹروڈیوس کرا دینا ضروری ہے۔ لہٰذا میں پہلے ان فتنہ پردازوں کے نام و نشان سے واقف کراتا اور انکی ابتداء اور انتہاء بتلاتا ہوں۔ بعد ازاں اصل حقیقت عرض کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مگر یہ امر واضح رہے کہ مستریان مشین سیویاں محض ایک آلہ کار یا مُردہ بدست زندہ کی طرح ہیں جنکو ہلانے جلانے نچانے بلانے والے کچھ اور لوگ کافرین۔ فاسقین۔ منکرین۔ منافقین کے رئیس و امیر و سرگروہ شیاطین الانس سے پس پردہ ہیں جنکا دین و ایمان یہی ہے کہ جس طرح بھی بن سکے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مٹانے اور امام جماعت احمدیہ پر الزام لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ اور کوئی تیر ترکش میں باقی نہ رکھا جائے۔ خواہ تیر انداز جہنم میں ہی چلے جائیں۔ مگر اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئیں۔ بہر حال یہ شیاطین کا ایک آخری حربہ ہے۔ جو انپر ہی الٹ پڑیگا۔ اور دو جہان میں ان کی روسیاہی کا باعث ہو جائیگا انشاء اللہ فانتظروا۔

فتنہ انگیزوں کے مختصر حالات

عرصہ قریباً چودہ سال کا ہوا۔ کہ جالندھر شہر سے ایک شخص مسمی فضل کریم لوہار جس کی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ معہ اپنے تین خوردسالہ بے ماں کے بچوں کے جن میں ایک لڑکی اور دو لڑکے تھے۔ نہایت خستہ حالی سے قادیان آیا۔ بڑے لڑکے کا نام عبدالکریم چھوٹے کا محمد زاہد۔ لڑکی کا سکینہ تھا۔ ان تینوں کی عمر اس وقت علی الترتیب ۱۰-۵-۷ سال کے قریب تھی۔ یہ احمدیہ مہمان خانہ میں ٹھیرے۔ اور ایک معمولی ٹرنک جس میں کچھ پیشہ آہنگری کے اوزار تھے ان کے پاس تھا۔ چند ماہ مہمان خانہ میں رہکر قریب ہی مکرمی ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب احمدی مہاجر کا بالاخانہ جس کے نیچے ایک دوکان ہے۔ کرایہ پر لیا۔ مکان میں رہائش دوکان میں کام شروع کیا۔ اس کا کرایہ بھی ابھی تک کچھ انکے ذمہ باقی ہے۔ جو تا حال ادا نہیں کیا۔ پہلے پہلے یہ مٹی کے تیل کے کنستروں اور دیگر قفل تالیوں وغیرہ کی مرمت کر کے اپنا گذارہ کرتے رہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ان کی شادی کی تجویز کر کے ایک لڑکی سے مستری فضل کریم کا نکاح کرا دیا گیا۔ جو کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی فوت ہو گئی۔ بڑے لڑکے عبدالکریم کو کالج احمدیہ میں اور چھوٹے محمد زاہد کو تعلیم الاسلام ہائی سکول میں اور لڑکی کو زنانہ مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے واسطے بٹھا دیا۔ مدرسہ سے فارغ ہو کر دونوں لڑکے اپنے باپ فضل کریم کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

احمدیت کی بدولت خدا نے ان پر فضل کیا۔ کہ بڑا لڑکا مولوی فاضل ہو گیا۔ اور چھوٹے محمد زاہد نے انٹرنس پاس کر لیا۔ لڑکی نے بھی گرلز سکول میں کچھ تعلیم پا لی۔ اسی زمانہ میں خدا نے ان پر یہ احسان بھی کیا۔ کہ وہ معمولی مرمت وغیرہ کا جو کام کرتے تھے۔ اس میں ترقی ہوئی۔ کہ سیویاں نکالنے کی "جندری" بنانے لگ گئے۔ جو رفتہ رفتہ "مشین سیویاں" کے نام سے مشہور کی گئی۔ اس کام میں انکو مالی امداد کی ضرورت پڑی۔ تو احمدیہ سٹور نے ان کی درخواست پر کچھ مالی امداد دی جس کا انجام ان کے لئے برا ہوا جو آگے چلکر بتایا جائیگا۔ تیسرا فضل اللہ تعالیٰ نے یہ کیا۔ کہ حضرت میاں صاحب سلمہ اللہ نے انکو مکان کے لئے زمین مفت عطا فرمائی جس پر انہوں نے اپنا رہائشی مکان جو آج "مشین سیویاں بلڈنگ" کے لقب سے مشہور کیا جا رہا ہے۔ بنا لیا۔ جو ایک مردم خور ڈھاب کے کنارے واقع ہے۔ جس کا بیان آگے آئیگا۔

آج یہ مشین سیویاں بلڈنگ مکرمی سید محمود اشرف صاحب احمدی سابق ہیڈ کلرک محکمہ تعلیم کے پاس ایک ہزار روپیہ میں رہن بالقبض ہے۔ جو دس روپیہ ماہوار کرایہ پر مستری صاحبان کے پاس ہے جس کا دس ماہ کا کرایہ بھی اب تک ادا نہ کر سکے۔ تو یکصد روپیہ کا ایک ہینڈ نوٹ بابت کرایہ لکھکر شاہ صاحب کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح گیارہ سو روپیہ اب مستریوں کے ذمہ ہے۔

چوتھا فضل خدا نے ان پر یہ کیا۔ کہ انہوں نے قرض لیکر آٹا پیسنے کی ایک پرانی چکی خرید لی۔ جس کو مرمت وغیرہ کر کے چلانے لگے۔ اور فلور مل کے مالک بن گئے۔ بالآخر گذشتہ سال بدقسمتی سے انہوں نے ایک بوسیدہ موٹر کرایہ پر چلانے کی نیت سے خرید لی۔ تو اس کے لئے کوئی ایسا ڈرائیور جو ہر پھیرے میں اس کی مرہم پٹی کر کے چلاتا رہے۔ نہ ملا۔ لاچار ہو کر [illegible] فضل کریم صاحب کے اس فرزند دلبند فخر دوران مولوی محمد زاہد صاحب سلمہ الرحمٰن کا دل پگھل آیا۔ اور فوراً کالج چھوڑ کر موٹر کو آ سنبھالا۔ اور چند ہی ایام میں موٹر ڈرائیوری کی سند حاصل کر کے خود اس کو کرایہ پر چلانے لگے۔ اس جدید ڈرائیور کی مار موٹر برداشت نہ کر سکی۔ باغی ہو کر ہاتھ سے نکل گئی۔ مجبور ہو کر مولانا [illegible] زاہد [illegible] نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ [illegible] کر [illegible]

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں کھڑی کردی۔ جہاں وہ اب تک پڑی ماتم کر رہی ہے۔

یہ ہے ناظرین ان نوخیز فتنہ پردازوں کی ابتدائی حالت جو قادیان میں آجانے کی وجہ سے انکو نصیب ہوئی۔ افسوس کہ اُس جالندہری پستی سے اس احمدی بلندی پر پہنچنے کی برداشت ان سے نہ ہوسکی اور خود فراموش بن کر یہ آفتاب پر تیر پھینکنے لگ گئے۔ کاش فضل کریم اپنی اُس جالندہری حالت کو یاد رکھتا۔ اور پھر اس خدائی فضل کی قدر کرتا۔ تو آج نہ اپنا ایمان کھوتا نہ اپنی اولاد کی ہلاکی کا موجب ہوتا۔ یا خدا کے اس ارشاد کو اس مولوی بننے والے بیٹے سے ہی سُن لیتا۔ کہ "اُنّما اموالکم واولادکم فتنۃ" تو تب بھی عاقبت کی بربادی سے بچ جاتا۔ مگر تقدیر کا نوشتہ کون بدلے۔ اور سے بچائے کون اس کمبخت کو جس کو خدا مارے

وہ دن نزدیک آگیا۔ جو علم الٰہی میں ان کی ہلاکت دینی و ایمانی کا مُقدر تھا۔ اور اگست ۱۹۱۹ء سے اس کی بنیاد پڑنی شروع ہوگئی۔ جس کے مختصر واقعات آگے بیان کرتا ہوں۔

سٹور کا مقدمہ اور ابتلا کا آغاز

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا

بابت ہگست چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے مینیجر احمدیہ سٹور نے نظارت امور عامہ میں ایک درخواست دی۔ کہ مستری فضل کریم کے ذمہ ایک سال سے سٹور کا کچھ روپیہ ہے۔ وہ اس سے دلایا جائے۔ یہ درخواست ۴ مارچ ۱۹۲۰ء کو بہ رضامندی فریقین اسطرح فیصل ہوئی۔ کہ مستری فضل کریم بحساب دس روپیہ ماہوار ماہ مارچ سے باقساط یہ روپیہ ادا کرے۔ اس فیصلہ پر فریقین کے دستخط کرا لیئے۔ مستری فضل کریم نے یہ الفاظ اپنی قلم سے لکھ کر کہ "مجھے یہ فیصلہ منظور ہے" دستخط کر دیئے۔ اس فیصلہ کی اجراء کا جب وقت آیا۔ تو مستری فضل کریم نے اس منظور کردہ فیصلہ کا اپیل محکمہ قضاء میں کر دیا۔ جو ۸ مارچ ۱۹۲۰ء کو اس بناء پر نامنظور ہو گیا۔ کہ یہ فیصلہ برضامندی فریقین و منظوری مدیون ہو چکا ہے۔ اس کی اپیل کا کوئی حق قانوناً یا شرعاً مدیون کو نہیں۔ لہٰذا مستری صاحب حسب فیصلہ منظور کردہ خود اقساط ادا کردیں۔ پھر ۳۰ مارچ کو عبد الکریم پسر فضل کریم نے لکھا۔ کہ محکمہ قضاء نے مغالطہ دیکر فیصلہ کیا ہے۔ اس لئے قابل اپیل ہے۔ اس کا پھر وہی جواب ۴ اپریل کو دیا گیا۔ کہ کوئی حق اپیل کا نہیں ہے جب کہ آپ رضامندی سے باہمی فیصلہ کر کے اس پر منظوری کے دستخط کر چکے ہیں۔ اور لکھا کہ اب بھی اگر آپ اس منظور کردہ فیصلہ کی تعمیل نہ کرینگے۔ تو اس کے نتیجہ کے ذمہ وار ہونگے۔ اس پر مستریوں کو طیش آگیا۔ اور انہوں نے دو درخواستیں ایک ۱۴ اپریل دوسری ۲۰ اپریل ۱۹۲۰ء کو نہایت ہتک آمیز لہجہ اور گستاخانہ الفاظ میں خانصاحب ذوالفقار علی خان ناظر امور عامہ کو بذریعہ ڈاک بھیجدیں جن میں وہ رویہ اختیار کیا جو ایک نادہند انسان اور دشمن بدخواہ سلسلہ کا ہوتا ہے۔ پھر ۲۴ اپریل کو ایک درخواست دی۔ کہ ہمیں اپیل کے واسطے دس روز کی مہلت دیجائے۔ ہم کوئی قسط نہیں ادا کرینگے جب تک اپیل نہ کرلیں۔ اُن کے اس عذر کو بھی توڑ کر جھوٹے کو گھر تک پہنچا دیا۔ اور مُہلت دیدی۔ دس یوم کی مُہلت لیکر ۲۲ مئی کو ایک لمبا اپیل قضاء کے میز پر رکھکر چلے گئے۔ جس پر ۱۱ اگست ۱۹۲۰ء کو قضاء نے بدیں مضمون ایک مفصل رپورٹ ناظر صاحب امور عامہ کیخدمت میں بھیجی۔ اور اسمیں لکھا کہ

"مستری فضل کریم کی جتنی تحریریں شامل مثل ہیں۔ وہ اکثر توہین آمیز ہیں۔ اور ان پر اس سے کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اب وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس لئے جناب مشمولہ مثل تحریرات کو پڑھیں۔ اگر امکان میں ہے تو اس پر کوئی نوٹس لیں۔ ورنہ سٹور کو ہدایت کریں۔ کہ وہ دیوانی دعویٰ کر کے روپیہ وصول کرلیں"

جو شخص اس قسم کی بے ادبانہ تحریریں لکھتا ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ کسی حکم کے ماننے کے لئے طیار ہوگا۔ میرے نزدیک صحیح خیال نہیں۔ اس لئے مثل واپس بھیجتا ہوں۔ جو مناسب سمجھیں۔ کارروائی کریں۔"

آخر نظارت امور عامہ میں عرصہ تک مستری صاحب اپنے منظور کردہ فیصلہ کے خلاف بیجا عذرات اور محکمہ قضاء وغیرہ کی شکایات کرتے کراتے اس مرحلہ پر پہنچے۔ کہ جو سامان خوردنی اور دیگر ریاشین سیو یال سٹور نے اپنی فہرست میں میرے نام درج کیا ہے اوس سامان کا بیجک دکھائیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ کس بھاؤ سے خریدا گیا ہے۔ اس عذر لنگ کا جواب مینیجر سٹور سے طلب ہوا۔ تو انہوں نے لکھا۔ کہ مستری صاحب خود اپنا سامان ساتھ جاکر خرید کر لاتے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں۔ کہ وہ کس بھاؤ سے لاتے تھے۔ بیجک انکے پاس ہونگے۔ ہمارے پاس نہیں۔ پھر مستری صاحب نے یہ عذر کیا۔ کہ سٹور سے میرے کھاتہ کی نقل منگا کر مجھے دکھائی جائے۔ وہ بھی منگا دی۔ جب تمام مراحل طے ہو چکے۔ اور ہر ایک عذر مستری صاحب کا منقطع ہو گیا۔ اور حساب کی رُو سے مبلغ سالعہ/۳۷۴/۱۲ ان کے ذمہ نکلے۔ تو اب یہ عذر پیش کر دیا۔ کہ سٹور نے جو منافع لینا چاہا ہے۔ وہ از قسم سُود ہے۔ وہ منہا کر دیا جائے۔ تو میں آئندہ ماہ سے قسطیں ادا کرنے لگوں گا۔ اس کے جواب میں ان کو کہدیا۔ کہ عیسہ منافع ہے جس کو تم سُود کہتے ہو۔ یہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آپ اصل رقم ساعہ/۱۲ قسط وار ادا کردیں۔ مقدمہ کو طوالت دیتے دیتے مستری صاحب نے اگست ۱۹ء سے لیکر اپریل ۲۲ء تک پہنچا دیا۔ اور ۲۴ اپریل کو امور عامہ کے جواب میں لکھدیا۔ کہ کُل لین دین جو میرا رہا ہے اس میں جس قدر منافع لیا گیا ہے۔ وہ بقدر ساٹھ روپیہ کے ہے۔ وہ سب منہا کرو پھر میں آئندہ قسط وار بحساب عہ ماہوار ادا کروں گا۔ اس پر ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا کہ آپ اس ساٹھ روپیہ کو جس کا نام سُود رکھتے ہیں۔ زیر غور رہنے دیں۔ اصل رقم جو آپکی طرف ہے۔ وہ ادا کرنی شروع کریں۔ مگر وہ نہ مانے۔ تو جب سب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کارکن کیا قاضی اور کیا محتسب اور کیا نظارت امور عامہ اور کیا دفتر ڈاک تنگ آ گئے۔ تو اس معاملہ کو حضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ۲۶ اپریل ۲۳ء کو پیش کر دیا۔ حضرت صاحب نے ۴ مئی کو اس کا فیصلہ فرمایا۔ جس سے مستری صاحب اینڈ کو کے دلوں میں نفاق شروع ہوا۔ اور آغاز ابتلا کا زمانہ آگیا۔ حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے جو فیصلہ فرمایا ہے۔ وہ میرا تو دل چاہتا ہے۔ کہ سارا یہاں نقل کر دوں۔ مگر عدم گنجائش اخبار مانع ہے۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اگر ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ اس کو بھی شائع کر دوں گا۔ اس وقت مستری صاحب کے متعلق جو فرمایا ہے۔ اور جو ان کے لئے رنج و غصہ کا باعث ہوا۔ اس میں سے کچھ اقتباس نقل کرتا ہوں فیصلہ میں حضرت صاحب نے تحریر فرمایا۔

(۱) "مستری فضل کریم کا طریق عمل گو شروع شروع میں اس قدر قابل اعتراض نہیں معلوم ہوتا۔ مگر (بعد میں) ان کا رویہ یک لخت نہایت گندہ ہو گیا ہے۔ اور وہ اسلامی طریق کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ ان کی تحریر کا لفظ لفظ بدظنی نادجب

حیلہ اور غلط حقوق کے ادعا سے پُر

ہے۔ اور انہوں نے مفتی کو غلط طور پر

واقعات پیش کر کے فتویٰ لیا ہے

جو نہایت قابل اعتراض ہے"۔

(۲) "(مستری فضل کریم) کے لئے یہ کبھی جائز نہ تھا کہ ایک ایسا فیصلہ جسے وہ قبول کر چکے تھے۔ اس کے خلاف اس رنگ میں اپیل کرتے جس رنگ میں کہ انہوں نے اپیل کی ہے۔ اس میں انہوں نے قاضی کے خلاف بلا وجہ اور بغیر اس کے کہ اس وقت تک قاضی کی طرف سے انکو کوئی اشتعال دلایا جاتا۔ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کہ جو قاضی تو قاضی کسی دوسرے شخص کی نسبت بھی ان کے لئے جائز نہ ہو سکتے تھے"۔

(۳) روپیہ کی ادائیگی کے متعلق جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے۔ وہ بھی ایک حیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اگر فی الواقعہ ان کی نیت روپیہ ادا کرنے کی ہوتی۔ تو وہ روپیہ ادا کرنا شروع کر دیتے۔ اور اس رقم کے متعلق جسے وہ محض اپنے ذاتی نفع کے لئے سُود کے نام سے پکارتے ہیں۔ اپیل کرتے۔ اور اگر اپیل نہ بھی کرتے تو اصل رقم ادا کر کے پھر اس رقم کے دینے سے انکار کر دیتے۔ ان کا رویہ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ جہاں تک ہو سکے قرضہ کی ادائیگی میں دیر لگانا چاہتے تھے"۔

(۴) "میرے نزدیک جس طریق پر سٹور نے فیصلہ کیا ہے۔ وہ مشکوک تو ضرور ہے۔ مگر اس کے حالات ایسے مبہم ہیں۔ کہ اس کو سُود قرار دینا زیادتی ہے پس میرا یہ فیصلہ ہے۔ کہ وہ رقم جو منافع کی لگائی گئی ہے۔ بوجہ اس کے کہ اس کے حالات مشکوک ہیں۔ معاف کی جائے۔ مگر بوجہ اس کے کہ مستری صاحب نے ادائیگی رقم میں ناواجب دیر لگائی ہے اور فیصلہ کے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے اقساط کی رقم دگنی کی جائے یعنے اپریل ۲۲ء سے وہ بیس روپیہ ماہوار کی قسطوں میں سٹور کا روپیہ ادا کریں"۔

ناظرین! میں نے اس لمبے مقدمہ کے درمیانی حالات جن سے مستریان مشین بیویاں کی اخلاقی حالت اور ایمانداری اور دیانت کا اچھی طرح پتہ لگ جاتا ہے۔ چھوڑ دیئے ہیں۔ نہایت اختصار کے ساتھ جستہ جستہ مقامات سے واقعات کو لے کر نقل کیا ہے۔ علم النفس کے جاننے والے تو اس پر یکجائی نظر ڈالکر اچھی طرح سمجھ لیں گے۔ لیکن معمولی علم و عقل کے لوگ بھی مندرجہ بالا واقعات کو پڑھ کر جان جائیں گے۔ کہ یہ مقدمہ مستری فضل کریم اور اس کی ذریت کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوا ہے۔ اور اس دن سے جبکہ فیصلہ کے مندرجہ بالا اقتباسات جن کے بعض فقرات کو میں نے جلی کر دیا ہے۔ ان کی نظر سے گذرے۔ وہ عقائد ہم لوٹنا شروع ہو گئے۔ اور یہ فیصلہ ان کے لئے بدقسمتی سے موجب ابتلا بن گیا۔

خطرناک غلط بیانی

ہمعصر "الفضل" نے ۱۳ دسمبر ۲۷ء کی اشاعت میں "موجودہ فتنہ کی حقیقت" کا انکشاف کرتے ہوئے جو اس مقدمہ کا ذکر کیا تھا۔ اس کے جواب میں معہ القاب مولوی عبدالکریم صاحب خلف اکبر مستری فضل کریم نے "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" والی ضرب المثل پر عمل کر کے "فتنہ قادیان کی اصل حقیقت" کے عنوان سے جو ایک پیلا دو ورقہ اشتہار الٹا سیدھا بغیر تاریخ و نام مطبع طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ اس میں ایسی صریح غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ جو سوائے مستری مولوی فاضل کے جو آج علم و مبین کے رُوپ میں جلوہ افروز ہے کسی دوسرے شخص سے جس میں رتی بھر بھی بوئے ایمان ہو۔ ممکن نہیں آپ جھوٹ کی نجاست پر منہ مارتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "الفضل" نے جو ایک وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ "احمدیہ سٹور کے قرضہ کی ادائیگی کا مقدمہ دائر تھا۔ سو یہ بات ہی غلط ہے"۔ کس قدر جھوٹ ہے مثل موجود ہے۔ سارا واقعہ ہم نے اوپر درج کر دیا ہے۔ مستریوں کی اصل تحریریں سب محفوظ ہیں جن سے معلوم ہو گا۔ کیا وہ سٹور کے قرضہ کا مقدمہ نہیں تو اور کس چیز کا ہے یہ مالا ۲۷/۱۳ کی رقم قرضہ کی ہے یا سُود کی۔ پھر اگر وہ سود کا مقدمہ تھا۔ تو "دروغگو را حافظہ نباشد" کے مطابق آگے چلکر یہ کیوں لکھ دیا۔ کہ "چنانچہ دوسو روپیہ دیدیا گیا۔ اور سُودی رقم کی تعیین و حساب کے لئے بار بار لکھا گیا۔ تاکہ حساب بے باق ہو جائے"۔ اس بھلے مانس کو یاد نہیں رہا۔ کہ وہ ۴ ۲/ اپریل ۲۲ء کی درخواست میں افسر ڈاک کو۔ اور ۲۶/ اپریل ۲۲ء کی عرضی میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھ چکا ہے۔ کہ رقم منافع (جس کو اپنے نفع کے لئے سُود کہا جاتا ہے۔ اور حضرت صاحب نے جس کی بابت یہ لکھا ہے۔ کہ "اس کو سُود قرار دینا زیادتی ہے")

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صرف ۶۰ روپیہ ہے۔ کیا تم نے اس کی واپسی کا دعویٰ کیا تھا۔ جویے ایمانی سے اپنی پہلے دو ورقہ میں یہ دروغ بیانی کی۔ کہ سٹور کے قرضہ کا کوئی مقدمہ نہیں تھا۔ بلکہ مقدمہ سُود کی بابت تھا جو سٹور وصول کر چکا تھا۔ اس سے تمنے یہ دہوکہ دینا چاہا ہے۔ کہ گویا سٹور نے سُود لیا تہا۔ ہمنے اس کی واپسی کا مقدمہ کیا تھا۔ نہ کہ سٹور نے اپنے کسی قرضہ کی وصولی کا ہم پر دعویٰ کیا تہا۔ اور اس پر بے حیائی سے یہ بھی لکھ دیا۔ کہ ۲۰۰ روپیہ ادا کرنے کے بعد سُودی رقم کی تعیین کے لئے بار بار ناظر صاحب امور عامہ کو لکھا تھا۔ مگر توجہ نہ کی گئی۔ حالانکہ ۶۰ روپیہ اس رقم کے خود معین کر چکے تھے مستری جب جانیں کہ آپ ایڈیٹر فاروق کو تو یہ کہیں۔ کہ "تفصیل کا علم ہوتا تو اس واقعہ کو پبلک میں نہ لاتے۔ تا اظہار حقیقت پر سُبکی نہ اُٹھانی پڑتی۔" پھر آپکو پتہ لگ جائے۔ کہ ایڈیٹر فاروق نے کہاں تک آپ کی قبر کھود کر رکھی ہوئی ہے۔

مستری عبدالکریم کی صفائی،

کس ہوشیاری تہس عیاری سے اسی دو ورقہ میں لکھتے ہیں۔ کہ "عجیب بات یہ ہے۔ کہ فیصلہ جناب میاں صاحب نے ہمارے حق میں کیا ہے۔ اور پیش اس طور پر کیا جاتا ہے۔ کہ گویا ہمارے خلاف ہے۔"

مستری صاحب یا مولوی صاحب! آپ "بیحیا باش ہرچہ خواہی کن" کے ماتحت جو چاہیں کہتے جائیں۔ مگر کسی صحیح الحواس سے ذرا فیصلہ کے مندرجہ صدر اقتباسات کو عموماً اور جلی کردہ عبارات کو خصوصاً پڑھوا کر پھر اس کا مطلب پوچھکر بتائیں کہ اس میں کیا تعریف آپ کی کی گئی ہے۔ اور آپ کے والد صاحب کے حق میں کہاں تک نیک نیتی اور دیانتداری اور ادائگی حقوق میں مستعدی کا اظہار فرمایا ہی شرم کرو۔ بھلا ان جیلوں سے کہیں یہ ثابت ہوتا ممکن ہی کہ آپکو اس فیصلہ سے آگ نہیں لگی۔ بلکہ ٹھنڈک پہنچی تھی۔ ابھی کیا ہی اس سے آگے دوسرا خوشنودی مزاج کا سرٹیفکیٹ ملاحظہ فرمائیے۔ اور سٹور کا بقیہ روپیہ جلد ہی دلوائیے۔ ورنہ فلور مل قُرقی کرانیکے لئے تیار ہو جاؤ۔

مقدمہ واپسی قیمت مشین سیویاں

فی قلوبھم مرضًا فزادھم اللّٰہ مرضاہ

سٹور کے قرضہ کا مقدمہ ابھی زیر تجویز ہی تہا۔ کہ شامت اعمال نے مستری فضل کریم صاحب کو ایک دوسرے رنگ میں گرفتار کیا۔ جس کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ کہ قریشی محمود احمد صاحب احمدی نے ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مستری فضل کریم سے ۳ درجن مشین سیویاں فروخت کے واسطے منگوائیں جو ۲۳ ر اپریل ۱۹۲۱ء کو بھیجدیں۔ وہ مشینیں وہاں پسند نہ ہوئیں۔ اور قریشی صاحب نے مستری فضل کریم کو واپسی کے لئے لکھا۔ اُنہوں نے واپس لینے کو مان لیا۔ تو قریشی صاحب نے واپس کر کے بلٹی مستری صاحب کو بھیجدی۔ مستری صاحب نے مال ریلوے سے نہ منگایا۔ اس پر ڈیمارج پڑتا رہا۔ قادیان میں قریشی محمود احمد صاحب کے بھائی قریشی امیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ ان کو معلوم ہوا۔ کہ مستری صاحب مشینوں کی قیمت تو بذریعہ وی پی وصول کر چکے ہوئے ہیں۔ اب چونکہ روپیہ واپس کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے بٹالہ اسٹیشن سے مال نہیں چھڑاتے اور عمداً دیر لگاتے ہیں۔ قریشی امیر احمد صاحب نے مستریوں سے جا کر کہا۔ کہ مجھے بلٹی دیدو۔ میں خود بٹالہ سے مال چھڑا لوں۔ تاکہ اس پر ڈیمارج نہ پڑتا رہے مستریوں نے انکو ۲۵ روپیہ برائے ڈیمارج وغیرہ اور بلٹی دیدی۔ وہ بلٹی لیکر مال چھڑا لائے۔ مگر اپنے پاس اس لئے رکھ چھوڑا کہ مستری صاحب قیمت کا روپیہ واپس دیکر لے لیں گے۔ مستری صاحب نے روپیہ تو بھلا کیا دینا تہا۔ انہوں نے ۳۰ر جنوری ۱۹۲۲ء کو امور عامہ میں قریشی امیر احمد صاحب پر ایک دعویٰ دائر کر دیا۔ کہ میرا مال اور ۲۵ روپیہ کا بقیہ دلوایا جاوے۔ وہ درخواست فیصلہ کے لئے منشی غلام محمد صاحب پنشنر سب انسپکٹر پولیس محتسب جماعت احمدیہ قادیان کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے بعد تحقیقات وغیرہ یکم اپریل کو یہ فیصلہ کیا۔ کہ مبلغ ۱۲۵ روپیہ قیمت مشینوں کی مستری فضل کریم صاحب دو ماہ کے اندر ادا کر دیں۔"

مستری صاحب ایسے کریم النفس کہاں تھے۔ کہ لمبے عرصہ تک مقدمہ کو نہ چلائیں۔ انہوں نے ۴ر اپریل ۱۹۲۲ء کو ناظر امور عامہ کے پاس ایک درخواست دی کہ "محتسب صاحب کو اسلامی قوانین سے ذرا بھی واقفیت نہیں۔ اگر ہوتی تو ایسا فیصلہ نہ کرتے۔" اس لئے ہم نے مفتی صاحب سے فتویٰ لیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرما کر حسب فتوے مفتی فیصلہ کیا جائے۔ حالانکہ محتسب اول نے مستری صاحب کے ناجائز عذرات کو رفع کرنے کے لئے میاں نظام الدین صاحب تاجر کو ثالث کر کے عذرات کا فیصلہ مانگا۔ تو ثالث صاحب نے بھی مستری صاحب کے خلاف رپورٹ کی۔ جس کے بعد منشی غلام محمد صاحب نے دو ماہ کے اندر واپسی روپیہ کی ڈگری مستریوں کے خلاف کی تھی۔ بہرحال انکی عذرداری پر دوبارہ یہ مقدمہ دوسرے محتسب پنشنر رسالدار خداداد خان صاحب کو دیا گیا۔

اُنہوں نے ۱۸ر اپریل ۱۹۲۲ء کو یہ فیصلہ کیا۔ کہ "مستری صاحب کی غفلت اور لاپرواہی سے آگے ہی مال دو ماہ بٹالہ خراب ہوتا رہا۔ اور بعد ازاں ساڑھے تین ماہ سے یہاں فضول عذرات پیش ہو رہے ہیں۔ کبھی ناجائز نفع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ جب فتویٰ سے پہلے مال واپس لیا جا چکا ہے۔ تو پھر کیوں مفتی صاحب کو مغالطہ دیا جاتا ہی۔ میرے خیال میں کوئی وجہ نہیں۔ کہ قریشی صاحب کا روپیہ مستری صاحب ایک دم ادا نہ کریں۔"

(۲) "یہ شخص (مستری فضل کریم) بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی رسید وصولی مشینوں کی فتوی لینے سے پہلے مدعی قریشی محمود احمد صاحب کو پہنچ چکی ہے۔ اور اپنے بیان میں ہر جگہ غلط کہتا ہے۔ کہ کارخانہ مشین واپس نہیں لے سکتا۔"

ناظرین! آپ اس مخلص احمدی لاکھوں کی جائداد اور عزیز و اقارب کو ترک کر کے محض دین کی خاطر قادیان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں مہاجر بنکر آنیوالے کی دیانت وامانت وایمانداری کا ملاحظہ کرتے جائیں۔ کہ دوسروں کے حقوق کو مارنے کے لئے کیا کیا حیلے اور بہانے بنا بنا کر اپنی اخلاص کا ثبوت دیتا جاتا ہے۔ ان دو مختلف محتسبوں کے فیصلہ پر بھی رضامند نہ ہؤا۔ تو پھر یہ مقدمہ ناظر صاحب امور عامہ نے محکمہ قضاء میں فیصلہ کے لئے بھیجدیا۔ اب وہاں کے واقعات ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کیا پیش آتے ہیں۔

محکمہ قضاء اور مستری کی اداء

مقدمہ سٹور کا آخری فیصلہ دربار خلافت سے ۴ر مئی ۱۹۲۲ء کو ہوچکا ہے جس کا مختصر واقعہ اوپر درج ہے۔ اب ۱۲ر مئی ۱۹۲۲ء کو یہ مشینوں کی واپسی قیمت کا مقدمہ قضاء میں پیش ہو کر ۱۸ر مئی ۱۹۲۲ء کو فیصلہ ہؤا۔ کہ مستری فضل کریم صاحب سو ر فی مشین بابت مرمت کاٹ کر باقی روپیہ آج سے تین ماہ میں مدعی کو ادا کردیں۔ مستری فضل کریم اینڈ سنز کی فطرت سلیمہ کا یہ تقاضا ہی نہیں۔ کہ کسی فیصلہ کو تسلیم کرے۔ اپنی عادت مستمرہ کے مطابق مستری صاحب نے ۲۷ر مئی کو اس فیصلہ کا بھی اس بنا پر اپیل کردیا۔ کہ اُجرت مرمت فی مشین ہمنے ۸ر مانگے تھے۔ قاضی صاحب نے ۳ر کردیئے۔ یہ منظور نہیں۔ اور ہم نے ۶ ماہ کی مُہلت ادائگی روپیہ کے لئے چاہی تھی۔ قاضی صاحب نے ۳ ماہ کی کردی ہے۔ جو ٹھیک نہیں۔ یہ اپیل قضاء کے بنچ میں پیش ہوئی۔ اور میر محمد اسحٰق صاحب مولوی فاضل اور اُن مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منشی فاضل و مولوی فاضل نے جن سے غلط واقعات کی بنا پر ناجائز فتوٰی لیا تھا۔ ملکر ۱۰ر جولائی ۲۲ء کو فیصلہ کیا کہ

"ہم مولوی فضل الدین صاحب قاضی کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ مقدمہ کیوجہ سے دن زیادہ گذر گئے ہیں۔ اس لئے ہم یہ بھی فیصلہ کرتے ہیں کہ مستری صاحب فی الفور مدعی کو رقم ادا کردیں۔"

ناظرین! کیا آپ یہ اُمید کرتے ہیں۔ کہ اب تو مستری صاحب راہ راست پر آگئے ہوں گے اور آیندہ چون وچرا نہ کرینگے۔ مگر یہ امید مستری فضل کریم سے آپ کبھی نہ رکھیں۔ وہ ماننے والی اسامی نہیں۔ ایک ہفتہ کی میعاد اپیل کے لئے دیگئی۔ جو یوم اطلاع سے ۲۰ر جولائی ۱۹۲۲ء کو ختم ہوگئی۔ مگر ابھی تک مستری صاحب سوچ رہے ہیں۔ کہ اب کیا کریں۔ اسطرف فوراً ادائگی روپیہ کا مطالبہ ہونے لگا جس کو ٹالتے ٹالتے ۱۰ر اکتوبر ۲۲ء تک پہنچا دیا۔ اور بعد انقضاء میعاد ۱۰ر اکتوبر کو ایک اپیل لکھکر بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ پیش کردی جس کا حسب ذیل فیصلہ ۱۹ر اکتوبر ۲۲ء کو حضور نے یہ فرمایا۔ کہ

"مرمت مشین کی اُجرت ۳ر کا فیصلہ صرف ایک شہادت پر کیا جانا درست نہیں۔ اس لئے میں مثل کو دوبارہ مولوی فضل دین صاحب قاضی کے پاس جنہوں نے ابتدائی فیصلہ کیا تھا۔ بھیجتا ہوں۔ کہ وہ دونوں فریق کو بلوا کر از سر نو اس نقصان کے متعلق تحقیق کر کے فیصلہ کریں"

اور مستری صاحب کے متعلق فیصلہ میں فرمایا۔ کہ

(۱) "میں مستری فضل کریم صاحب کے اس ناواجب رویہ پر افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے وہ ہر ایک جھگڑے کے متعلق جو کسی دوسرے سے ہؤا ہے۔ اور میرے تک پہنچا ہے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۲) "وہ مقدمہ کی تحقیق کو دوسروں کے حقوق کے تلف کرنیکا ایک ذریعہ بناتے ہیں۔ اگر وہ اس قدر رقم جو وہ خود تسلیم کریں دوسرے فریق کو ادا کردیں۔ یا قسطیں جو عدالت نے مقرر کی ہیں۔ ادا کرنا شروع کردیں۔ تو اس صورت میں سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ وہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نہ کہ دوسروں کے حقوق کو تلف کرنا چاہتے ہیں۔"

(۳) "میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہر ایک جھگڑے میں ان کا رویّہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اول تو وہ اپنی حالت کو پیش کر کے قسطوں کے مقرر کرنیکا سوال کرتے ہیں۔ اور پھر اگر عدالت ان کے ساتھ نیک سلوک کر کے قسطیں مقرر کرتی ہے۔ تو خواہ کتنی ہی قلیل رقم کے متعلق اختلاف رہ جائے۔ وہ تسلیم شدہ رقم کے ادا کرنے کا بھی نام نہیں لیتے۔ اور جب آخری فیصلہ ہونے لگے۔ تو پھر یہی سوال کردیتے ہیں۔ کہ میں اب اکٹھا نہیں ادا کرسکتا۔ یہ ان کا رویّہ نہایت ناواجب اور اخلاق اور شریعت کے خلاف ہے۔ میں اس دفعہ ان سے رعایت کر کے تین ماہ کی مُہلت دیتا ہوں۔ کہ اس قدر رقم جس کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ وہ قریشی محمود احمد صاحب یا انکے وکیل (قریشی امیر احمد) کو اداء کردیں۔"

(۴) "آیندہ کے لئے میں آنکی ذات کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ اگر ان کا کوئی مقدمہ پیش ہو تو عدالت مرافعہ ان کی اپیل قبول نہ کرے۔ جب تک وہ مدت اپیل کے اندر اس حق کو ادا نہ کرنے لگ جائیں جس کے بارے میں ان کا فریق مخالف سے کوئی اختلاف نہیں۔"

حضرت صاحب کے فیصلہ کو پڑھ کر وہ دل بیمار جو اسی سال ۴ر مئی کے سٹور والے فیصلہ میں اپنی حقیقت سُنکر ناخوش ہوچکا ہے۔ اس کے لئے یہ ۱۹ر اکتوبر ۲۲ء کا فیصلہ اور بھی ترقی مرض کا باعث ہوگیا۔ جس کا اندازہ اس کے طرز عمل سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ اس کے بیٹے عبدالکریم نے حضرت صاحب کے اس فیصلہ کی تعمیل میں کہ "تین ماہ میں وہ مدعی کو اس قدر رقم جس کو وہ تسلیم کرتے ہیں۔ ادا کردیں۔" ۱۶ر دسمبر ۲۲ء کو مطالبہ روپیہ کے جواب میں یہ لکھکر دیا۔ کہ

"ابھی تک ان مشینوں کی مرمت ہی نہیں ہوئی فروخت ہونا تو درکنار۔ اور ابھی ۳ ماہ کی میعاد بھی ختم نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ مطالبہ نہیں فرما سکتے۔"

چونکہ مستری فضل کریم نے اس مقدمہ میں اپنے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بیٹے عبدالکریم کو پیروی مقدمہ کیلئے مختار مقرر کرایا تھا۔ جس نے حسب مثل مشہور "بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ" باپ سے بڑھ چڑھکر اطاعت و فرمانبرداری و تقویٰ کا یہ نمونہ دکھایا۔ کہ جو مثل حضرت صاحب نے قاضی صاحب عدالت اولیٰ کے پاس ہر اجرت مرمت مشین وغیرہ کے فیصلہ کے لئے دوبارہ بھیجی تھی۔ اوسکا فیصلہ ۹ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو قاضی صاحب نے بعد تحقیق یہ کیا۔ کہ مولوی محمد عامل صاحب رنگ ساز کو رنگ کرنے کے لئے وہ سب مشینیں با جرت ۲۰ر فی مشین دی جائیں۔ جن کو محمد عامل صاحب نے منظور کرلیا تھا۔ جب رنگائی کے لئے محمد عامل صاحب کو مشینیں دینے کو مستری صاحب سے کہا تو "خوئے بدرا بہانہ ہا بسیار" کے مطابق مستری عبدالکریم نے یہ عذر کردیا کہ "میں مشینوں کو معہ تمام سامان متعلقہ کے دوں گا۔ محمد عامل صاحب جب رنگائی کریں۔ تو خود ہر ایک مشین کے پرزے وغیرہ علیحدہ نکال لیں۔ اور پھر رنگائی کرکے تمام پرزے اسی طرح جوڑ کر ہمیں دیں" اس محبت ناروا کا یہ فیصلہ کیا۔ کہ مشین کے وہ حصے جو رنگائی کرنے ہیں۔ دیدیں رنگساز جوڑنے توڑنے کا کام نہیں کریگا۔ صرف رنگائی کردیگا۔ اس پر مستری عبدالکریم ابن فضل کریم نے یہ بات نکالی کہ "جڑوائی کا کام ہیں کرنا ہوگا۔ تو ہم چار روپیہ روزانہ کے حساب سے اجرت لیں گے" قریشی امیر احمد صاحب مدعی نے کہا۔ کہ حضرت صاحب نے صرف رنگائی کا فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم رنگائی کی اجرت دیں۔ اور ابتداء سے مستری صاحب بھی اتنا ہی مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اجرت جڑوائی کا نیا ڈھکوسلہ ہے۔ جو مجھے منظور نہیں۔ اس پر یہ مثل پھر حضرت صاحب کے حضور بھیجی گئی۔ کہ اگر جڑوائی کی اجرت کا بھی فیصلہ کرنا ہے۔ تو اس کے متعلق ہدایت فرمائی جاوے کہ کیا کیا جائے۔ ۱۰ر فروری ۱۹۲۳ء کو جب مثل حضرت صاحب کے حضور پیش ہوئی۔ تو حضور نے اس پر یہ حکم دیا۔ کہ

"ہم کوئی عذر نہیں سن سکتے جب تک کہ مستری فضل کریم تسلیم شدہ رقم کو ادا نہ کردیں۔ اس کے بعد بھی جرمانہ ادا کرنے پر سنی جائیگی۔ (کیونکہ بعد انقضاء میعاد وہ اپیل کرتے ہیں) میرے فیصلہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ متنازعہ رقم کو کاٹ کر مستری صاحب بقیہ رقم ادا کردیں۔ اگر وہ رقم ادا نہ کریں۔ تو قریشی صاحب عدالت دیوانی میں دعویٰ کرکے لیں"

ناظرین آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو حضرت صاحب نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ کہ مستری فضل کریم "تین ماہ میں اس قدر رقم جس کو وہ خود تسلیم کرتے ہیں۔ قریشی محمود احمد صاحب کو ادا کردیں" یہ میعاد ۱۹ر جنوری با غایت ۳۱ر جنوری ۱۹۲۳ء کو کامل طور پر ختم ہوچکی۔ اور ان مخلصین مستریوں نے مطلق پرواہ نہیں کی۔ اور مندرجہ بالا ۱۰ر فروری ۱۹۲۳ء والے حکم کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور ایک پیسہ تک ادا نہیں کیا۔ بے جا عذرات اور ناواجب حیلہ جات کرتے کرتے حضرت صاحب کو بار بار رقعے لکھ لکھ کر تنگ کردیا۔ تو بالآخر حضرت صاحب نے مجبور ہوکر ۱۰ر اپریل ۱۹۲۳ء کو فضل کریم کے نام یہ حکم بھیجا۔ کہ

"آپ نے میرے فیصلہ کے مطابق چونکہ ابھی تک قریشی صاحب کا روپیہ ادا نہیں کیا۔ اس لئے آپ ایک ایسے شخص کو اپنی طرف سے پیش کریں۔ جو آپ کا کوئی قریبی اور رشتہ دار نہ ہو۔ اور ایسا ہی قریشی صاحب اپنی طرف سے ایک شخص مقرر کردیں۔ اور ایک شخص کو ہم مقرر کردینگے۔ اور آپ کے مقدمہ کے تمام عذرات ان تینوں شخصوں کے سامنے رکھ دینگے۔ پھر جو وہ فیصلہ کریں۔ اس کی تعمیل ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نے اس پر بھی فیصلہ کو تسلیم نہ کیا۔ تو ہم مجبور ہونگے۔ کہ کوئی اصلاح کی تجویز کریں۔ یا آپکو جماعت سے خارج کردیں۔ دو دن کے اندر اندر آپ کسی ایک شخص کو مقرر کرکے مجھے اطلاع دیں۔ اگر دو دن کے اندر اندر آپ نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا۔ کہ آپ فیصلہ نہیں کروانا چاہتے"

ناظرین آپ غور فرمالیں۔ کہ ان مستریان کی فطرت سلیمہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ کہ کسی فیصلہ پر وہ سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اور اس فیصلہ کو بھی جو خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے بار بار فرمایا جن کے ہاتھ پر یہ بیعت کرچکے ہیں۔ ماننے پر طیار نہیں ہوتے۔ اور ۱۶ر اپریل کے خط میں اپنے آپ کو نہایت مخلص احمدی اور حضرت خلیفۃ المسیح کا فرمانبردار اور بڑا ایماندار ظاہر کرتے ہوئے نظام سلسلہ کے متعلق مستری عبدالکریم حضرت صاحب کو لکھتے ہیں۔ کہ

(۱) "کسی شخص کے اخلاص۔ ایمان۔ قلبی حالت کا اندازہ بہت مشکل ہے۔ مگر میں یہ کہوں گا۔ کہ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اللہ نے ہم کو اس قدر ایمان دیا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے ہم ثابت قدم رہے ہیں۔ (ماشاء اللہ اس ثابت قدمی کی کوئی حد ہے۔ فاروق) اور اگر حضور کا دربار نہ ہو تو نامعلوم کہ یہ لوگ غریب لوگوں سے کیا سلوک کریں"

(۲) "حضور اجو کچھ بھی والد صاحب نے بعض رقعہ جات میں سختی کی ہے۔ اگرچہ یہ انکی غلطی ہے۔ (جس کو خود جناب مستری عبدالکریم صاحب ہی لکھتے رہے ہیں۔ نہ کہ آپ کے والد صاحب جو ان پڑھ ہیں۔ اور آپ کے دست نگر۔ فاروق) مگر یہ ہمارے افسروں کے بعض سلوکوں کی وجہ سے ہوئی ہے" (کہ انہوں نے ہماری منشاء کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ اور واقعات کی رو سے کیا ہے۔ فاروق)

(۳) "میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ جو آدمی حضور کے حکم کی نافرمانی کرے۔ وہ کہاں احمدی ہے۔ خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی۔ دنیاوی خسارہ ہو یا نفع (اسی لئے تو آپ نے دوسروں کے حقوق کو نہ ماننے کے لئے خود تسلیم کردہ رقوم داوئی کو فوراً بغیر کسی عذر و حیلہ کے ادا کرکے دکھادیا۔ کہ آپ سچے احمدی ہیں۔ اور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہر ایک حکم کو ماننے کے لئے تیار اور دنیاوی و دینی خسارہ کا مطلق خیال تک نہیں رکھتے۔ فاروق) ہمنے اپنی جانیں بیچیں۔ اور چند پیسوں کا حکم نہ مانیں حیف ہے ایسی احمدیت پر۔ اظہار کرنا تو عجب میں داخل ہے۔ مگر ہمیں اگر جان دینی پڑے تو دینگے۔"

(۴) "حضور نے آدمی پیش کرنے کو فرمایا ہے۔ (کہ ہم ایک آدمی بطور ثالث پیش کریں) میں اس کو سخت گستاخی خیال کرتا ہوں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ بات ہے۔ کہ حضور کا فیصلہ نامنظور اور دوسرے کو حَکَم بناتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ایک گستاخی ہے۔ اور ایک احمدی کی شان سے بعید ہے۔"

(۵) "میں یہ نہیں کہتا۔ کہ والد صاحب (فضل کریم) جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ ضرور وہی درست ہے مگر اتنا کہوں گا۔ کہ بعض دوستوں نے بہت ہی برا سلوک کیا۔ (کہ ہم سے روپیہ مانگتے ہیں۔ اور فیصلہ کنندگان بھی روپیہ ادا کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ فاروق) میرا ارادہ ہے۔ کہ اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد بعض باتوں کو عرض کردں۔ کیونکہ خدا نے ہم کو ایسا خلیفہ دیا ہے۔ کہ غریب سے غریب اپنی بات کہہ سکتا ہے"

(۶) "یہ اب معاملہ حضور کے آگے ہے۔ (گویا اس سے پہلے تو حضور کے آگے یہ معاملہ گیا نہیں۔ اور نہ حضور نے اس پر غور فرماکر کوئی فیصلہ فرمایا ہی۔ آج پہلی مرتبہ ہی یہ معاملہ حضور کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ فاروق) حالات کی تحقیقات فرمائیں۔ جو فیصلہ صادر ہو تعمیل ہوگی (اگلے فیصلے تو سب نامنظور ہیں۔ از سر نو پھر فیصلہ فرمادیں۔ فاروق) جو حکم فرمائیں بسر و چشم منظور ہمنے کسی فیصلہ کی تعمیل میں بیشتر ازیں گریز نہیں کیا۔"

اس خط کو ملاحظہ فرماکر حضرت صاحب نے مستری فضل کریم اینڈ سنز کی متواتر نافرمانیوں اور حیلہ جوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حکم اپنی قلم مبارک سے ۴ ؍ جون ۲۳ء کو تحریر فرمایا۔ کہ

"میں مستری فضل کریم صاحب کا کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میری بات کے ماننے کا جو وقت تھا۔ وہ گذر چکا۔ اب میں اس وقت ہی معاف کردوں گا۔ جب (مستریوں کو) اس امر کا احساس اچھی طرح پیدا ہوجائیگا۔ کہ فیصلہ کے متعلق حیلہ جوئی کرنا ایک قبیح فعل ہی۔"

حضرت ایدہ اللہ بنصرہ کے اس حکم کو سُنکر مستری اس عالی مقام کے قریب پہونچ گئے جس پر وہ آج کل گامزن ہیں۔ مگر عدالت سرکاری کے خوف سے کہ کہیں حسب اجازت حضرت صاحب قریشی امیر احمد صاحب دیوانی میں نالش نہ کردیں۔ ماسٹ کی ڈگری میں سے صرف یک صد روپیہ بمشکل ادا کیا۔ وہ بھی بجائے جنوری ۲۳ء میں ادا کرنے کے جون ۲۳ء میں کیا۔ مگر حضرت صاحب کا کوئی فیصلہ نہ مانا۔

اس مقدمہ کے درمیان میں دو اور مقدمے جناب مستری فضل کریم صاحب کے ہوئے۔ جو انہی مشینوں کے تنازعہ سے متعلق ہیں۔ ان کا بھی مختصر ذکر سُن لیں۔

دھوکہ دہی کا مقدمہ

واپسی قیمت مشین سیویاں اور لڑائی کا مقدمہ مستری صاحب کی مہربانی سے باوجود فیصلہ ہو جانے کے ابھی زیر تجویز ہی تھا جس کے آثار اُن کو اپنے خلاف فیصلہ ہونے کے باعث پیش نظر تھے۔ کہ آپ کے فرزند گرامی مستری عبدالکریم نے ۲۸ ؍ مئی ۲۲ء کو قضاء میں قریشی امیر احمد صاحب مدعی پر دھوکہ دہی کا مقدمہ دائر دیا۔ جس میں استغاثہ کیا۔ کہ "امیر احمد قریشی نے ہمارے ساتھ دھوکہ دہی کی ہے۔ کہ ہمارا پارسل مشین سیویاں جو ڈیرہ اسمٰعیل خان سے واپس آیا تھا۔ چھڑاکر اپنے پاس رکھ چھوڑا۔ جس کا مقدمہ کرکے ہم نے ان سے وصول کیا۔ ان کی اس دھوکہ دہی سے یہ نقصان ہؤا۔ کہ مقدمہ کرنے میں ہمارا وقت ضائع ہوا۔ ہمارا دل جلا۔ لڑائی ہوئی۔ مستدعی ہیں۔ کہ ایسے شخص کو سزا دیجائے۔"

۲۷ ؍ جون ۱۹۲۲ء کو قضاء سے مقدمہ بعدم ثبوت خارج ہوگیا۔ اور فیصلہ میں لکھا کہ

"قریشی امیر احمد صاحب کی طرف سے اس معاملہ میں جو کارروائی ہوئی ہے۔ کسی دھوکہ دہی کی غرض سے نہیں ہوئی۔ صرف روپیہ (قیمت مشینوں) کی وصولی مدنظر تھی۔ اگر اس طرح دھوکہ دہی کے مقدمات ہونے لگیں۔ تو ممکن ہے کل قریشی محمود احمد صاحب بھی ایک دھوکہ دہی کا دعویٰ بھیجدیں کہ مجھ سے (مستری فضل کریم نے) مشینیں واپس لینی منظور کیں۔ اور واپس منگواکر یہ دھوکہ کیا ہے۔ کہ (قیمت کا روپیہ واپس نہیں دیا) اس لئے میں اس دعویٰ کو خارج کرتا ہوں۔"

یہ فیصلہ مستریوں کے لئے مزید رنج کا موجب ہوگیا۔ اور لڑائی والا مقدمہ بھی مستریوں کے خلاف فیصلہ ہوا۔ جس کے مختصر واقعات یہ ہیں۔

لڑائی کا مقدمہ

مستری فضل کریم اور قریشی امیر احمد صاحب کا واپس آمدہ مشین سیویاں کی رسید مانگنے پر تکرار ہؤا۔ مستری نے قریشی صاحب کو گلے سے پکڑ لیا۔ اور سخت گالیاں اور ہتک کی۔ قریشی صاحب نے ۵ ؍ مارچ ۲۳ء کو مستری فضل کریم پر ہتک کا دعویٰ کیا۔ منشی غلام محمد صاحب محتسب کو تحقیقات کے لئے مقرر کیا۔ محتسب صاحب نے بعد تحقیقات و تحریر شہادت و بیانات فریقین ۲۵ ؍ اپریل ۲۳ء کو ناظر صاحب امور عامہ کی خدمت میں رپورٹ کی کہ

"مستری فضل کریم نے امیر احمد کو گلے سے دبایا اور گالیاں نکالیں۔ جس کی تصدیق مولوی سرور شاہ صاحب اور جان محمد دستمین کے تحریری بیان سے ہوتی ہے۔ مستری فضل کریم نے اپنا تحریری بیان بھیجا ہے"

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حاضر آنے سے انکاری ہی ہیں۔ ان کے بیان میں بھی انکو گلہ پکڑنے کا اقرار ہے علاوہ ازیں مستری فضل کریم صاحب کی ایسی شکایت عموماً ہو رہی ہے۔ اور ان کی درشت کلامی اور لڑائی جھگڑا کی عام شکایت ہے۔ میری رائے میں مستری فضل کریم کو علاوہ معافی مانگنے کے مبلغ بیس روپیہ جرمانہ کی سزا بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ آیندہ کے لئے ان کو عبرت حاصل ہو۔"

خانصاحب ذوالفقار علی خان ناظر امور عامہ نے اس پر یہ حکم لکھا۔ کہ "پہلے مستری صاحب کو معافی کے لئے کہا جائے۔ کہ وہ آپ کے سامنے معافی مانگیں۔ نہ تعمیل کریں۔ تو رپورٹ دیجئے۔ پھر سزا کا سوال حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائیگا۔" اس فیصلہ کے ماتحت مستری فضل کریم کو معافی مانگنے کے لئے کہا گیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اور یہ عُذر کیا۔ کہ قریشی امیر احمد مدعی قسم کھاوے کہ میں نے اوس کا گلہ بلاوجہ پکڑا ہے۔ اس پر ناظر صاحب امور عامہ نے حضرت صاحب کے حضور علاوہ معافی کے دس روپیہ جرمانہ کرنے کی ہی رپورٹ کی۔ جس پر حضرت صاحب نے ۱۴ مئی ۲۸ء کو یہ فیصلہ فرمایا کہ

"مستری فضل کریم صاحب چونکہ خود اقراری ہیں۔ کہ انہوں نے امیر احمد صاحب کا گلہ پکڑا اس لئے ان سے مزید دریافت کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ قادیان میں رہکر گواہی وغیرہ کے موٹے مسائل تک سے واقف نہیں۔ قسم مدعا علیہ پر ہوتی ہے اور وہ بھی جب گواہ نہ ہوں۔ پس میاں امیر احمد صاحب کو قسم نہیں دیجا سکتی۔ انکے گواہ موجود ہیں۔ اور اگر گواہ نہ بھی ہوں۔ تو خود مستری صاحب اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے شرعاً یا تو وہ امیر احمد صاحب قریشی سے معافی مانگ کر ان کو خوش کریں۔ ورنہ شرعی سزا کے لئے تیار ہوں۔"

مستری فضل کریم کو اس فیصلہ کی اطلاع دی گئی۔ تو اس کے بیٹے مستری عبدالکریم نے ۱۷ مئی ۲۸ء کو حضرت صاحب کے فیصلہ پر نظر ثانی کی ایک لمبی درخواست دی۔ جس میں حضرت صاحب کو پہلے یہ لکھا۔ کہ "میں رسید چاہتا ہوں کہ حضور نے یہ رُقعہ بتمامہ ملاحظہ فرما لیا ہے۔" اور آگے چل کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کو سبق پڑھاتا ہے۔ کہ "یہ بات درست ہے۔ کہ حلف (قسم) بوجہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کے مدعا علیہ کو دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ مدعا علیہ مُقر ہے۔ کہ اس نے گلہ پکڑا۔ مگر مدعا علیہ کا جواب دعویٰ یہ ہے۔ کہ پہلے قریشی صاحب مدعی نے مجھکو گرانے کی کوشش کی۔ اور حملہ کیا۔ جسکا قریشی صاحب کو انکار ہے۔ اس لئے ان کو قسم دلائی جا سکتی ہے۔ نیز بجائے گلہ پکڑنے کے گواہ پیش کرنے کے قریشی صاحب مدعی یہ گواہ پیش کریں۔ کہ انہوں نے اوّل حملہ نہیں کیا۔ میں ایسے گواہ پیش کرتا ہوں۔ جو قریشی صاحب کی زیادتی تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ اس قسم کے گواہ میرے پاس ہیں۔ جن کو میں پیش کر سکتا ہوں۔ یہ گواہ بتلاتے ہیں کہ میں مظلوم تھا۔ مجھے رونا آتا ہے۔ کہ ایک تو میں مظلوم ہوں۔ اور مجھ پر ہی ڈگری ہی اس رُلا دینیوالے واقعہ نے مجبور کیا۔ کہ میں بھی گواہوں کے نام پیش کروں۔ اگر میں حضور تک یہ معاملہ نہ پہنچاؤں۔ تو اس کا بہت بُرا اثر بندہ پر پڑے گا۔"

پھر ۲۴ مئی کو ایک لمبی درخواست بوساطت افسر ڈاک حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کی اور اس میں نہایت متکبرانہ اور گستاخانہ لہجہ اختیار کیا۔ جیسا کہ لکھتا ہے۔ کہ

(۱) میں نے کوئی گواہی محتسب کے سامنے پیش نہیں کی۔ میں نے تو امیر احمد مدعی کو قسم دلانے کے لئے کہا تھا۔ اب اگر فرما دیں۔ تو اپنے گواہ پیش کر سکتا ہوں۔

(۲) محتسب نے میرے متعلق یہ تحریر کر کے کہ "میری سخت کلامی اور لڑائی جھگڑے کی عام شکایت ہو رہی ہے" میری عزت پر حملہ کیا ہے۔ میں نے ان الفاظ پر نوٹس لیا ہے۔ (کیونکہ آپ محتسب کے افسر اعلےٰ تھے۔ تبھی تو نوٹس لیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ فاروق) اور امور عامہ میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ اور درخواست کی ہے۔ کہ ایسے شخص کو عبرتناک سزا دیجاوے۔

(۳) میری بات کو سنتے نہیں اور کہتے چلے جاتے ہیں۔ کہ معافی مانگو معافی مانگو۔ کیا وجہ ہے معافی مانگنے کی۔ (یہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے اوس فیصلہ کی تعمیل میں جواب دیا جاتا ہے۔ جو حضور نے ۱۴ مئی ۲۸ء کو فرمایا تھا۔ کہ مستری فضل کریم امیر احمد سے معافی مانگیں۔ اور انکو خوش کریں۔ ورنہ شرعی سزا کے لئے تیار ہو جائیں۔ فاروق) میرا کوئی قصور نہیں۔ کہ معافی مانگوں۔

(۴) ایک آدمی جو کہ دلائل قاطعہ رکھتا ہے اپنے دعویٰ کی سچائی کے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ معافی مانگے۔ اس کو واقعی انکار کرنا چاہیئے۔"

اس قدر حیلے اور نافرمانیاں اور تمرد کر کے عبدالکریم معہ اپنے باپ فضل کریم کے حضرت صاحب کے فیصلہ کے مطابق جون ۲۸ء تک کسی حکم کی تعمیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور بار بار یہ کہا۔ کہ میں معافی کیوں مانگوں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ میری بے قصوری کے گواہ موجود ہیں۔ جن سے میری مظلومیت ثابت ہوتی ہے۔ گو وہ گواہ ابتدائی عدالت میں مَیں نے پیش نہیں کئے۔ اب ضرور لئے جائیں اسیطرح حضرت صاحب کو برابر لکھتا رہا۔ تو حضرت صاحب نے ۱۰ جولائی ۲۸ء کو اس کی ان تمام درخواستوں پر یہ حکم صادر فرمایا۔ کہ

"بہر حال یہ ثابت ہے کہ شکایت فریق مخالف (امیر احمد) نے کی اور آپ نے نہیں کی۔ امیر احمد کے مقدمہ کے فیصلہ کے بعد آپ نے یہ بات اُٹھائی۔ کہ آپ کے بھی گواہ موجود ہیں۔ اور یہ کہ آپ پر سختی کی گئی۔ محتسب کے کہنے پر بھی آپ نے توجہ اپیل وغیرہ کی نہیں کی۔ اس لئے میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فیصلہ کے بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپ دو روپیہ جرمانہ اداء کریں۔ تو یہ (معافی والا) فیصلہ ملتوی ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک کہ آپ محکمہ قضاء میں امیر احمد صاحب کے خلاف مقدمہ کر کے اپنے بیان کو ثابت نہ کر سکیں۔ اگر اس فیصلہ کے سننے کے بعد آپ ہفتہ کے اندر اندر مقدمہ قضاء میں دائر کر دیں۔ اور دو روپیہ بطور تاوان دفتر امور عامہ میں ادا کر دیں۔ تو پھر اس فیصلہ (معافی) کو محکمہ قضاء کے فیصلہ تک ملتوی کر دیا جائیگا۔"

دیکھئے فضل کریم کی بیہودہ درخواستوں پر حضرت صاحب نے یہ کیسا رحیمانہ حکم صادر فرمایا۔ کہ جس وقت قریشی امیر احمد نے تم پر ہتک کا دعویٰ کیا تھا۔ اس وقت تمہارا فرض تھا۔ کہ اپنی صفائی کی شہادت پیش کرتے۔ اور گواہوں کے بیانات سے ثابت کر دیتے۔ کہ دراصل امیر احمد صاحب نے اول حملہ کیا۔ تو اپنے بچاؤ کے لئے میں نے انکو گلا پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ چونکہ اس موقعہ پر جہاں آپ کا حق تھا۔ آپ نے کوئی اپنا ثبوت نہیں دیا۔ نہ گواہ دیئے۔ اور خود مانتے ہو۔ کہ میں نے عدالت ابتدائی میں کوئی گواہ پیش نہیں کیا۔ یہ مانتے ہوئے مدعی کو خلاف شریعت قسم دینا چاہتے ہو۔ - - - - جو جائز نہ تھی۔ کیونکہ مدعی اپنا ثبوت شہادت سے دے چکا تھا۔ اور اس پر قسم واجب نہ تھی۔ اب اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد تم گواہیاں پیش کرنا چاہتے ہو۔ جو مشتے بعد از جنگ کی مصداق ہیں۔ اس لئے اگرچہ آپ کو "برکلہ خود باید زد" کا حکم ہونا چاہیئے۔ تاہم یہ رعایت دیجاتی ہے۔ کہ آٹھ دن کے اندر اندر پہلے آپ دو روپیہ تاوان اس امر کا ادا کریں۔ کہ آپ نے کیوں قاعدہ مقررہ کے ماتحت میعاد کے اندر اپیل نہ کی۔ اس کے بعد آپ قضاء میں یہ مقدمہ دائر کریں۔ کہ امیر احمد صاحب قریشی نے مجھے جھٹکا مارا۔ لات پکڑی۔ گرانا چاہا۔ میری ہتک کی۔ بعد میں اپنے بچاؤ کے لئے میں نے اس کو گلے سے پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا۔ اور وہاں اپنے جدید گواہ پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیں۔ تو یہ معافی والا مقدمہ اس وقت تک ملتوی رہے گا۔ ورنہ میں معافی مانگنے والا فیصلہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس رعایت اور رحم سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستری اینڈ کو کو فوراً آگے بڑھنا چاہیئے تھا۔ اور ۸ دن کیا آٹھ گھنٹہ کے اندر اندر واجب تھا۔ کہ اپنا وہ دعوےٰ جس کے متعلق نہایت وثوق سے ۲۲ مئی ۲۲ء کے خط اسمی جناب افسر ڈاک میں لکھا تھا۔ کہ

"ہم اپنے دعویٰ کی سچائی کے بین ثبوت اور دلائل قاطعہ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں معافی مانگیں"

قضاء میں پیش کر دیتے۔ مگر وائے برحال مستریاں کہ ۸ دن کیا ۸ ہفتے بلکہ ۸ مہینے تک بھی انہوں نے حضرت صاحب کے اس حکم کی مطلق پروا نہ کی بالآخر ناظر صاحب امور عامہ نے کامل ایک ماہ کے انتظار کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل رپورٹ پیش کی۔ کہ مستری فضل کریم نے آج ۱۹ جولائی ۲۲ء تک

"نہ تو دو روپیہ تاوان داخل کیا ہے۔ اور نہ محکمہ قضاء میں مقدمہ دائر ہوا ہے۔ ایک ماہ گذر چکا ہے۔ اب اس کے متعلق کیا کاروائی کی جائے"

اس رپورٹ سے کامل دو ماہ بعد تک مستریوں کو مختلف طور پر سمجھایا گیا۔ کہ وہ اب فیصلہ جات سابقہ کی تعمیل کریں۔ سٹور کی رقم قسط وار کوئی اداء نہیں کی۔ قریشی امیر احمد کو مشینوں کی قیمت بھی حسب فیصلہ نہیں دی۔ نہ ان سے معافی مانگی۔ اب کیا کیا جائے۔ یہ رپورٹ ۱۸ ستمبر ۲۲ء کو حضرت صاحب کو دیگئی۔ اس پر حضرت صاحب نے حکم دیا۔ کہ انکو بذریعہ ڈاک جوابی رجسٹری کرا کر نوٹس دیا جائے۔ تو حسب ذیل نوٹس ۲۳ ستمبر کو انہیں دیا گیا۔

"قریشی امیر احمد صاحب اور آپکے دو مقدمات کے جو فیصلے ہو چکے ہیں۔ نیز سٹور کا مقدمہ بھی آپ نے ابھی تک فیصلہ جات کی تعمیل نہیں کی۔ چونکہ بار بار آپ کو توجہ دلائی جا چکی ہے۔ اس لئے حضرت اقدس فرماتے ہیں۔ اگر آپ نے آٹھ دن کے اندر اندر ان فیصلوں کی تعمیل نہ کی۔ تو ہم یہ اعلان کر دینگے۔ کہ آپکا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی احمدی آپ سے تعلق نہ رکھے۔ ۲ اکتوبر تک انتظار کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد اعلان کر دیا جائیگا۔" (۲۳ ستمبر ۲۲ء)

نوٹس مذکورہ ۲۴ ستمبر کو ڈاک کے ذریعہ ان کو پہنچا۔ جس کی کوئی تعمیل انہوں نے نہیں کی۔ نہ سٹور کے روپیہ کی کوئی قسط ادا کی۔ نہ مشینوں کا روپیہ ادا کیا۔ نہ دو روپیہ تاوان دیا۔ البتہ بہت لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر کہیں ۱۹ اکتوبر ۲۳ء کو قریشی صاحب سے معافی مانگی۔ وہ بھی شرعی سزا کے خوف سے۔ ورنہ اس مخلص احمدی نے کسی حکم کو نہ مانا۔ نہ اس پر عمل کیا۔ باوجود اس کے جب اخراج از جماعت کے لئے دو تین بار اس کو لکھا گیا۔ تو آپکے صاحبزادہ مستری عبدالکریم صاحب نے شملہ سے ۱۶ اپریل ۱۹۲۳ء کے خط میں جو رجسٹری کرا کر حضرت صاحب کے نام بھیجا تھا۔ لکھا کہ

"والد صاحب کے متعلق یہ لفظ جماعت سے نکالنے کا کئی دفعہ استعمال ہوا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں۔ جو ان الفاظ نے ان پر اثر کیا ہوا ہے" (آج تو ہم سب ہی جان گئے ہیں۔ کہ ان الفاظ نے ان پر کیا اثر کیا تھا۔ مگر بات یہی سچ ہے کہ یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا ط۔ وما یضل به الا الفٰسقین ۝ الذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه و یقطعون ما امر الله به ان یوصل و یفسدون فی الارض اولٰئک هم الخٰسرون ۝ نوشتہ تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے۔ آپ کی شامت اعمال آپ کے آگے آنی تھی۔ سو آگئی۔ فاروق)

نتیجہ مقدمات

فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الدنیا

اگست ۱۹۱۹ء سے لیکر اکتوبر ۲۳ء تک مستریان ان مقدمات مندرجہ صدر میں مبتلا رہے۔ اور ان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایام میں انکے دل ہر لمحہ اور ہر ساعت سلسلہ احمدیہ کے متعلق کجی کی طرف جانے شروع ہو گئے مقدمات بالا کی پیروی میں اونہوں نے جو اپنے ایمان اور تقویٰ اور دیانت اور اخلاق اور اطاعت کے نمونے دکھائے ہیں۔ اون کا مختصر ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یہ مقدمات مستریوں کے لئے پوری آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بن گئے۔ جس میں یہ ہر طرح سے فیل ہی ہوتے گئے۔ اور دن بدن نیچے ہی گرتے گئے۔ یہانتک کہ سلسلہ احمدیہ کے ہر نظام پر ان کو اعتراض ہی سوجھتا رہا۔ کوئی فرد کوئی کارکن جماعت ان کے الزام سے نہ بچا۔ جس نے بھی مقدمات بالا میں کسی قسم کی کارروائی کی جو ان کی منشاء کے خلاف تھی۔ وہی ان کے تیروں کا نشانہ بنا۔ کوئی قاضی۔ کوئی محتسب۔ کوئی کلرک۔ کوئی گواہ کوئی محکمہ مستریوں کے نزدیک قابل ستائش نہیں رہا۔ سب کے سب ظالم۔ بددیانت۔ انصاف کے خلاف کرنے والے ہوگئے۔ یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ جو کچھ مستری فضل کریم اور ان کے خلف الرشید مستری عبدالکریم کہتے اور چاہتے تھے۔ وہ نہیں کرتے تھے۔ واقعات اور شہادات اور روئداد پر فیصلے ہوتے تھے۔ اگر ان نیک نہادوں کے منشاء کو ہی پورا کرتے چلے جاتے اور دوسروں کے حقوق دبانے اور حق العباد کو ادا کرنے کے لئے ان پر زور نہ دیتے۔ تو پھر سب منصف۔ راستباز۔ دیانتدار کہلاتے۔ بہرحال مستریوں کی ہلاکت روحانی اور تباہی ایمانی کا وہ وقت جو علم الٰہی میں مقدر تھا۔ ان مقدمات کے ذریعہ نزدیک آگیا۔ اور یہ گرتے گرتے اس درجہ تک پہنچ گئے۔ کہ اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے بھی ہر ایک فیصلہ کو ٹھکرانے لگ گئے۔ اور

بازی۔ بازی باریش بابا ہم بازی

تک پہنچ گئے۔ چنانچہ ۴ر مئی ۲۲ء کو پہلا مقدمہ سٹور کا حضرت صاحب نے جو فیصلہ فرمایا۔ چونکہ اس فیصلہ میں مستریوں کے متعلق یہ درج تھا۔ کہ

(۱) مستری فضل کریم کا رویہ یک لخت نہایت گندہ ہو گیا۔ اور وہ اسلامی طریق کو بھلا بیٹھا ہے۔

(۲) اس کی تحریر کا لفظ لفظ بدظنی۔ ناواجب حملہ اور غلط حقوق کے ادعا سے پُر ہے۔

(۳) اس نے مفتی سے غلط واقعات پیش کرکے فتویٰ لیا ہے۔

(۴) قاضی صاحب کے ساتھ بھی اس کا معاملہ قابل افسوس ہے۔

(۵) روپیہ کی ادائگی کے متعلق بھی اس کا رویہ ایک حیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ وہ جہاں تک ہو سکے قرضہ کی ادائگی میں دیر لگانا چاہتا ہے۔

(۶) جس رقم کو وہ سُود کہتے ہیں یا سکا محض اپنے ذاتی نفع کے لئے سود نام رکھتے ہیں۔ اس کو سُود قرار دینا زیادتی ہے۔

(۷) میں فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ وہ اپریل ۲۲ء سے بیس روپیہ ماہوار باقساط سٹور کو ادا کریں۔ اور جس رقم کو وہ اپنے ذاتی فائدہ کیلئے سُود بتاتے ہیں۔ وہ معاف کی جائے۔

اس کو پڑھ کر ایک ایسا ایماندار احمدی جس کا یہ بیان ہو کہ "جو آدمی حضور کے حکم کی نافرمانی کرے وہ کہاں احمدی ہے۔ خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیاوی دنیاوی خسارہ ہو یا نفع میرا تو یہ ایمان ہے" (مستری عبدالکریم کا خط از شملہ بخدمت حضرت صاحب) کیا اس کا فرض نہیں ہے۔ کہ وہ فوراً تعمیل کرے؟ اگر وہ نہ کرے۔ تو کیا حسب اقرار فرزند خود وہ احمدی ہے؟

مستریو! میں پوچھتا ہوں۔ کہ تم نے اپریل ۱۹۲۲ء سے حضرت صاحب کے فیصلہ کے مطابق ۲۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے قسطیں ادا کرنی شروع کر دی تھیں؟ او فضل کریم تو بتا۔ اگر تو نہ بتا سکے۔ تو اپنے اس ایماندار بیٹے سے (جس نے یہ کہا ہے۔ کہ "جو حضور کے حکم کی کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں خواہ دنیاوی خسارہ ہو نافرمانی کرے۔ وہ احمدی نہیں) کہلوا کہ تو نے اس حکم کی جو حق العباد کی ادائگی کے متعلق تھا۔ نافرمانی کرکے جماعت سے علیحدگی کی یا نہیں؟ بلکہ یہاں تک تو نے نافرمانی کی۔ کہ پھر ۲۳ر ستمبر ۲۲ء کو تجھے حضرت صاحب کے حکم سے نوٹس دیا گیا۔ کہ

آٹھ دن کے اندر اندر اس فیصلہ کی تعمیل کرو ورنہ تمکو جماعت سے خارج کر دیا جائیگا۔

کیا تو نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حالانکہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو اس نوٹس کے جواب میں تو نے اپنے بیٹے عبدالکریم سے یہ لکھوا کر بھیجا۔ کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں حضور کے کسی حکم کی تعمیل نہ کروں" کیا کسی حکم کی تو نے تعمیل کی؟ ہرگز نہیں! حتےٰ کہ آج تک بھی تعمیل نہ کی۔ ہاں اپنی مرضی سے یہ کیا۔ کہ ۸ دن کے بجائے ۹ر دسمبر ۲۲ء کو ۳۳ روپیہ اور ۱۳ر دسمبر ۲۲ء کو ۴۰ روپیہ پھر ۲ سال بعد ۱۸ر جنوری ۲۵ء کو ۶۰ روپیہ پھر ایک سال بعد ۳ر جنوری ۱۹۲۶ء کو ۶۰ روپیہ منجملہ ۳۵۲ بغیر منافع اصل رقم میں سے ادا کئے۔ اور باقی ۱۵۹ روپے آج تک نہیں دیئے جن کا جولائی ۱۹۲۸ء کو لالہ کرم چند کھتری کے سامنے حساب کرکے تمسک لکھ دینے کا وعدہ تیرا بیٹا مستری عبدالکریم کرکے آج واپس آتا ہے؟ پس تو نے خود ہی اپنے آپ کو جماعت سے خارج کر لیا یا نہیں؟

اس کے بعد دوسرا مقدمہ واپسی قیمت مشین سیویاں کا جو قریشی محمود احمد صاحب سے تھا۔ اس کا فیصلہ پہلے ایک محتسب نے کیا وہ تو نے نامنظور کیا۔ پھر دوسرے محتسب نے کیا وہ بھی منظور نہ کیا۔ پھر قاضی نے کیا۔ وہ بھی پسند نہ آیا۔ پھر دو قاضیوں کے بینچ میں ہوا وہ بھی منظور خاطر نہ ہوا۔ آخر حضرت صاحب نے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو فیصلہ فرمایا۔ وہ بھی جناب مستری صاحب نے تسلیم نہ کیا۔ اس میں حضرت صاحب نے لکھا کہ

(۱) مستری فضل کریم کا ناواجب رویہ قابل افسوس ہے۔

(۲) وہ دوسرے کے حقوق کو تلف کرنے کا ذریعہ مقدمہ کو بناتے ہیں۔ اور دوسرے کے حقوق کو تلف کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) وہ تسلیم شدہ رقم کے ادا کرنے کا بھی نام نہیں لیتے۔

(۴) یہ ان کا رویہ نہایت ناواجب اور اخلاق

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور شریعت کے خلاف ہے۔

(۵) آئندہ ان کا اگر کوئی اپیل کسی مقدمہ کا پیش ہو تو وہ اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک وہ فریق مخالف کے تسلیم شدہ حق کو ادا نہ کرنے لگ جائیں۔

(۶) اس دفعہ ان کی پھر رعایت کر کے تین ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ کہ وہ اس میعاد میں تسلیم شدہ رقم قریشی محمود احمدؐ کو ادا کر دیں۔

مستری پہلے سٹور والے فیصلہ سے مریض ہو چکے تھے۔ اب اس فیصلہ نے ان کی بیماری کو فزادھم اللہ مرضا کے مطابق اور بڑھا دیا۔ اور انہوں نے اس فیصلہ کی تعمیل بھی نہ کی۔ ۳ ماہ کی مہلت جو ادائگی رقم کے لئے دیگئی تھی۔ وہ بھی گذر گئی۔ مگر حضرت صاحب کے فیصلہ کی ذرا پرواہ نہ کی جن کے لئے بقول خود "جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے تھے" (دیکھو خط عبدالکریم کا حوالہ بالا) ڈگری دار روپیہ مانگتا ہے یہ دیتے نہیں۔ وہ اجراء پر اجراء کراتا ہے۔ انکو احساس تک نہیں ہوتا۔ اور حضرت صاحب کے فیصلہ سے عملاً انکار ہے۔ آخر ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو انہیں حضرت صاحب کے حکم سے لکھا جاتا ہے۔ کہ

"تم ایک شخص کو ثالث بنا کر اپنے کا غذات کا فیصلہ کرالو۔ اور دو دن کے اندر اندر ایسا کرلو۔ ورنہ جماعت سے خارج کر دینگے"

اس کے جواب میں ابن فضل کریم شملہ سے حضرت صاحب کو خط لکھتا ہے۔ کہ حضور

"میں اس کو سخت گستاخی خیال کرتا ہوں کہ حضور کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے کو حکم بنایا جائے۔ یہ احمدی کی شان سے بعید ہے"

مگر بات وہیں کی وہیں ہے۔ کہ پچھلے جتنے حضور کے فیصلہ تھے۔ ان کی تعمیل تو کرتے نہیں۔ اور کہتے یہ ہیں کہ "اب جو حکم حضور فرمائیں۔ بسر و چشم منظور" جیسا کہ سابقہ تمام حکم منظور کر چکے۔

کس قدر گستاخی ہے کس قدر مضحکہ ہے کہ بار بار یہ کہتے جانا کہ "ہمنے کسی فیصلہ کی تعمیل میں ہیچ میز گریز نہیں کیا"۔ مگر تعمیل ایک کی بھی نہ کرنا یہ بتلا رہا ہے۔ کہ وہ وہی کرنا چاہتے ہیں۔ جو ان کی مرضی ہے اپنے خلاف منشاء کسی بات کو مانتے نہیں۔ تو تنگ آکر ۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو حضور نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ

"میں مستری صاحب کا کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جب تک کہ ان کو اس کا احساس اچھی طرح نہ ہو جائے۔ کہ فیصلوں کے متعلق حیلہ جوئی قبیح فعل ہے"

ایسا ہی وہ فیصلہ ان کی منشاء کے خلاف ہوا۔ جو قریشی امیر احمدؐ صاحب کی ہتک کے متعلق معافی مانگنے کا صادر ہوا تھا۔ الغرض مستری صاحبان ان مقدمات سے مرض دق کے دوسرے درجہ تک پہنچ گئے ہیں جس کے بعد تیسرے درجہ میں داخل ہونے کے سامان بھی خدا نے ان کے لئے پیدا کر دیئے۔ جو آگے بیان ہوتے ہیں۔

مرض دق کا تیسرا درجہ

واذا خلوا الیٰ شیاطینہم قالوا انا معکم

اب مستریان مشین سیویاں کے دل میں نفاق کا بیج بویا جا کر بڑھنے لگ گیا ہے۔ اور اس کی شاخیں پھوٹ نکلی ہیں۔ اور وہ مبتلاء آزار اور احمدیت سے بیزار ہو کر شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اور رات دن اسی تلاش میں سرگردان ہیں۔ کہ کوئی ہم جنس مریض نفاق ملے تو اس سے تنہائی میں بیٹھکر غم غلط کریں۔ ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ کھلم کھلا اظہار مخالفت کرنے لگیں۔ ادھر ادھر ذرا بھی چھیکے سے جو ان کی ہاں میں ہاں ملانیوالا کوئی ملجاتا ہے۔ تو ان کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ پھر سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں۔ مگر دل ڈرتا ہے۔ کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اور ایسا نہ ہو۔ کہ اس بے کسی کے عالم میں احمدی جماعت جو کہ ہمارے ساتھ تعاون کرتی اور ان پر ہی ہماری تجارت چلتی ہے۔ وہ ہمارے خارج از جماعت ہو نیسے الگ ہو جائے۔ اور ہم فاقوں مر جائیں۔ مکان رہن ہے۔ لوگوں کا قرضہ دینا ہے۔ وہ نہ ہو کہ سب کے سب ہم سے فرنٹ ہو کر ہماری بنی بنائی تجارت بگڑ جائے۔ غرض گوناگوں خیالات آ آ کر دل کو حیران اور دماغ کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ جن کی موجودگی میں سوائے منافقانہ ایام گذاری کے کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ آخر جوئندہ یابندہ مارچ ۱۹۲۴ء میں ایک تیار شدہ ڈاکٹر ہمدرد اور غمگسار ہاتھ آگیا جس نے قلبی جوش سے مستریان کی غمخواری کا بیڑا اٹھایا۔ اور ان کو پیغام بلڈنگ کے سول سرجن کا پتہ بتایا صاحب سول سرجن نے ان مریضان کو مفید مطلب پایا۔ اور تیمارداری شروع کی اور دلی ہمدردی سے ان کی پیٹھ ٹھونکی حسب ترتیب سلسلہ مندرجہ بالا ۲۴ جون ۱۹۲۳ء سے جبکہ حضرت صاحب نے ان کے متعلق یہ آخری فیصلہ فرمایا تھا۔ کہ "میں ان کا کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں" مرض نفاق کے دوسرے درجہ میں پہنچ چکے تھے۔ اور قدم آگے ہی بڑھا رہے تھے۔ ۴ مارچ ۱۹۲۴ء میں ڈاکٹر مذکور کے لڑکے کا مقدمہ ہو گیا۔ جس کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

ڈاکٹر عبداللہ کے لڑکے کا مقدمہ

۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو حضرت صاحب کے پاس شکایت پہنچی۔ کہ شیخ عبداللہ ہیڈ کمپونڈر نور ہسپتال کے لڑکے عبدالسلام نے ایک معزز خاتون زوجہ شیخ فضل کریم صاحب کو جو سات آٹھ سو روپیہ ماہوار کے معزز عہدہ دار ہیں۔ سر بازار جوتیوں سے مارا۔ اور برقعہ پھاڑ دیا۔ اور اس کے بعد زوجہ عطا محمد صاحب حکیم کو مارا۔ یہ استغاثہ قضاء میں فوری فیصلہ کے لئے سپیشل قاضی کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے دو دن کے اندر پوری تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا۔ کہ

(۱) عبدالسلام (پسر عبداللہ کمپونڈر) کو اس جگہ کھڑا کر کے جہاں اس نے ان دو معزز خاتونوں کو مارا ہے۔ مجمع عام میں ہیڈ ماسٹر صاحب سکول جن کے پاس وہ تعلیم پاتا ہے۔ بموجب قواعد سکول

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بارہ میلہ لگائیں۔ بشرطیکہ سرکاری قانون کی اجازت ہو۔

(۲) عبدالسلام کو بورڈنگ میں داخل کیا جاوے اور وہ ایک سال تک سوائے جمعہ اور درس کے بورڈنگ کو نہ چھوڑے۔ والدین بورڈنگ میں ہی جاکر اوس سے مل سکتے ہیں۔

(۳) ڈاکٹر عبداللہ نے چونکہ اس معاملہ میں اپنے لڑکے کی بیجا طرفداری کی ہے۔ اس لئے اس پر ۲۵ عہ جرمانہ کیا جاتا ہے۔

جب یہ فیصلہ ڈاکٹر عبداللہ کو بلا کر سنایا گیا تو اس نے محکمہ قضاء اور سلسلہ احمدیہ اور نظام سلسلہ کی سخت ہتک کی۔ انکو کہا گیا۔ کہ فیصلہ پر اطلاعیابی کے دستخط کردو۔ تو اس نے یہ جواب دیا۔

"میں دستخط نہیں کرتا۔ مجھے کوئی پروا نہیں۔ خواہ مجھے قادیان سے نکالدو۔ کون ہے۔ جو میرے بیٹے کو بیدرہ مارے۔ خدا کا خوف نہیں آتا۔ خواہ مجھے جماعت سے نکالدو۔ خواہ ملازمت سے علیحدہ کردو۔"

اس توہین قضاء کا ڈاکٹر مذکور پر استغاثہ ہوا۔ جو دوسرے قاضی کے سپرد کیا گیا۔ قاضی صاحب نے جوابدہی مقدمہ کے لئے ڈاکٹر عبداللہ کو بذریعہ سمن بلایا۔ تو اس نے سمن کو پڑھ کر پھینک دیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ بار بار اس کو بلایا۔ تو ہر بار اس نے انکار کر دیا۔ کہ میں نہیں آتا۔ قاضی صاحب نے انچارج ہسپتال نور کی خدمت میں رقعہ بھیجا۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ کو بھیجدیں۔ مگر وہ پھر بھی نہ آیا۔ پھر ۷؍مارچ کو اسے بلایا گیا۔ تو اس نے جواب میں کہا۔ کہ "ایسی تیسی کرائیں یہ سمن اور وہ قاضی جماعت۔ میں نہیں آتا۔" آخر پوری اتمام حجت کے بعد گواہوں کے بیانات پر ہی اس مقدمہ توہین قاضی کا مندرجہ ذیل فیصلہ ۲۶؍مارچ کو صادر کیا کہ

"میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب پر پچیس ۲۵ روپیہ جرمانہ کرتا ہوں۔ جو ان کی مارچ اور اپریل کی تنخواہ سے دو قسطوں میں وصول کیا جائے۔"

ڈاکٹر عبداللہ ان دونوں فیصلوں سے جو ۲۶؍مارچ کو انکے اور انکے بیٹے کے خلاف اور ۲۶؍مارچ کو ہتک قضاء کے مقدمہ والا انکے خلاف ہوا۔ نعل در آتش ہوگئے۔

اور حسب مقولہ مشہور "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔" مستریوں کے ہمخیال اور ہمراز بن گئے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے اپنے بیٹے والے مقدمہ کے فیصلہ کا اپیل کیا۔ جو دو قاضیوں کے بینچ میں پیش ہوکر بعد سماعت عذرات فیصلہ قاضی اول میں کچھ ترمیم ہوگئی۔ یعنے لڑکے کی سزا کی نوعیت کو بدل دیا۔ باقی فیصلہ بحال رہا۔ بینچ کے فیصلہ کا آخری اپیل فریقین کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے حضور اس وقت پیش ہوا۔ جبکہ حضور ولایت تشریف لیجا رہے تھے۔ اس لئے ان ہر دو اپیلوں کی سماعت واپسی از ولایت تک ملتوی رکھی گئی۔ اور بعد واپسی از لنڈن ۴؍فروری ۱۹۲۶ء کو حضور نے دونوں اپیلوں کا فیصلہ فرمایا۔ فریق مستغیث کی اپیل جو بغرض ایزادی سزا وغیرہ تھی نامنظور فرمائی۔ اور فریق ملزم کی اپیل کا یہ فیصلہ رہا۔ کہ

"ڈاکٹر صاحب کو جو لڑکے کی بیجا طرفداری کی بناء پر ۲۵ عہ روپیہ جرمانہ کی سزا دیگئی ہے۔ وہ درست نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اس سزا سے بری کیا گیا۔ مگر عبدالسلام پسر ڈاکٹر کو وہ سزا جو بینچ نے تجویز کی تھی بحال رکھی۔" اور فیصلہ میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے لڑکے عبدالسلام کے متعلق یہ فرمایا۔ کہ

"میں آخر میں نہایت افسوس سے اس امر کا بھی اظہار کرتا ہوں۔ کہ عبدالسلام (پسر ڈاکٹر عبداللہ) باوجود میرے بلانے کے حاضر نہیں ہوا۔ ایک ہفتہ کی پیر مہلت دی۔ اور اس کے والد ڈاکٹر عبداللہ صاحب سے کہا۔ کہ وہ اگلی تاریخ کو اسے پیش کردیں۔ مگر انہوں نے بھی آج یہی بتایا ہے کہ وہ نہیں آتا۔"

۲۰؍فروری ۱۹۲۶ء کو پسر ڈاکٹر کے فیصلہ کے نفاذ کے لئے ناظر صاحب امور عامہ نے محتسب جماعت کو لکھا۔ کہ وہ تعمیل کرائیں۔ ڈاکٹر عبداللہ اور اس کے بیٹے عبدالسلام کو تعمیل کے لئے کہا گیا۔ تو عبداللہ ڈاکٹر نے کہا۔ کہ عبدالسلام میرا کہنا نہیں مانتا۔ خود اس سے پوچھ لو۔ اس سے پوچھا۔ تو اس نے یہ جواب دیا۔ کہ

"نہ میں حضرت صاحب کے پاس حاضر ہوا ہوں اور نہ میں اس سزا کو جو حضرت صاحب نے دی ہے۔ منظور کرتا ہوں۔ اور نہ ہی بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ اور نہ ہی میں کوئی تحریر دینے کے لئے تیار ہوں۔"

یہ جواب بذریعہ رپورٹ حضرت صاحب کے حضور پیش ہوا۔ تو حضور نے ۲۷؍فروری کو اس پر حکم لکھا کہ

"ڈاکٹر صاحب کو لکھا جائے۔ کہ عبدالسلام نے یہ جواب دیا ہے۔ اس جواب کے بعد ہم یہی کر سکتے ہیں۔ کہ اس سے علیحدگی اختیار کریں۔ اور اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجاتی ہے۔ کہ یا تو وہ لڑکے کو سزا تجویز کردہ دلوائیں ورنہ ایک ہفتہ کے اندر اُسے اپنے گھر سے الگ کردیں۔"

ڈاکٹر عبداللہ نے باوجود بار بار لکھنے کے ۱۶؍مارچ ۱۹۲۶ء کو مندرجہ بالا حکم کے جواب میں لکھا کہ

"میرا مکان میری بیوی کے پاس رہن یا قبضہ ہے۔ میرا مکان کے ساتھ تعلق نہیں۔ (اس لئے میں عبدالسلام کو کیسے نکال دوں)۔"

۲۳؍مارچ کو حضرت صاحب نے اس پر حکم صادر فرمایا کہ

"ذمہ داری (مکان کی) اینٹوں کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ خاوند ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ عبدالسلام نے خلیفہ کی حکم عدولی کی ہے اس لئے وہ جب تک فیصلہ کو تسلیم نہ کرے۔ اگر اس کا آپ کے گھر میں آنا ثابت ہوا تو آپ اس کے ذمہ وار سمجھے جائیں گے۔ اور اس کا خرچ آپ بند کر سکتے ہیں۔"

۱۷؍مئی ۱۹۲۶ء کو ڈاکٹر عبداللہ نے لکھا۔ کہ میں نے خرچ تو بند کر دیا ہے۔ مگر اس کی والدہ اس کو گھر سے نکالنے پر تیار نہیں ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے یہ حکم دیا۔ کہ

"جو عذر آپ نے پیش کیا ہے۔ وہ قابل قبول نہیں ہے اس سے نظام سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے اس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

طرح ہر شخص کہدیا کریگا۔ کہ میری اہلیہ اس بات کو نہیں مانتی میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت میں ہم بھی وہی طریق اختیار کریں گے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ کہ جب ایک معاملہ میں بعض اشخاص کو سزا دی تو ان کی بیویوں کو بھی حکم تھا۔ کہ وہ بھی ان سے کلام نہ کریں۔ پس اگر آپ کی اہلیہ نہیں مانتیں اور عبدالسلام سے قطع تعلق نہیں کرتیں۔ تو آپ اُن سے علیٰحدگی اختیار کر لیں۔ ورنہ آپ ہی ذمہ دار سمجھے جائیں گے۔ اور علیٰحدگی سے مراد شرعی علیٰحدگی (طلاق) نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ آپ اپنی اہلیہ سے بات چیت نہ کریں۔ گھر پر نہ جائیں۔ جب تک کہ عبدالسلام اپنے لئے سزا منظور نہ کرے۔ یا آپ کی اہلیہ عبدالسلام سے قطع تعلق نہ کر لیں"

اس کے جواب میں ڈاکٹر عبداللہ نے لکھا۔ کہ "آپ اس ابتلا کا ذریعہ نہ بنیں۔ جہاں تک میرے بس میں تھا۔ میں نے تعمیل کر دی ہے۔ اور یہ میری طاقت سے باہر ہے"

از راہ ترحم بالآخر یہ معاملہ حضرت صاحب نے مجلس شوریٰ کے ۱۸ ممبروں کے سامنے مشورہ کیلئے بھیجدیا۔ کہ بعد مشورہ اطلاع دیں۔ کیا کرنا چاہیئے۔ یکم جون کو مجلس شوریٰ کی مندرجہ ذیل رپورٹ پیش ہوئی جسکو حضور نے منظور فرمایا۔

"ڈاکٹر صاحب سے تحریر لی جائے کہ وہ اپنی اہلیہ اور پسر عبدالسلام سے آیندہ ہر قسم کا قطع تعلق کر لیں گے۔ نہ ان سے کسی قسم کی مدد لیں گے نہ ان کو کسی قسم کی مدد دینگے۔ اور علیٰحدہ مکان میں رہیں گے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اس فیصلہ کو تسلیم نہ کریں۔ تو ان سے مقاطعہ کلی کیا جائے۔ اور عبدالسلام اور اس کی والدہ صاحبہ سے جماعت احمدیہ کے کلی مقاطعہ کا اعلان کیا جائے"

یہ فیصلہ برائے تعمیل ڈاکٹر عبداللہ کو بھیجا گیا تو اس نے ۱۷ جون ۱۹۲۶ء کو جواب میں لکھا کہ

"یہ حکم شرعی علیٰحدگی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لئے پیشتر اس کے کہ میں یہ قدم اُٹھاؤں میں چاہتا ہوں۔ کہ یکم جولائی تک مجھے دعا و استخارہ و رہائش وغیرہ کے انتظام کے لئے مُہلت دیجائے"

حسب درخواست بالا مُہلت دیگئی۔ بعد انقضاء میعاد ۳ جولائی کو ڈاکٹر عبداللہ نے یہ حیلہ پیش کیا کہ

"عبدالسلام کے علاوہ دوسرے خورد سالہ بچے اپنی والدہ کے پاس رہیں گے۔ یا اس سے علیٰحدہ کئے جاویں۔ اور ان کے خرچ کا کون ذمہ وار ہوگا"

۱۲ جولائی کو حضور نے یہ حکم دیا۔ کہ

"۹ سال یا اس سے کم عمر کے بچے والدہ کے پاس رہیں گے۔ اور ان کے اخراجات اپنی تنخواہ کی نسبت سے ڈاکٹر صاحب باطلاع دفتر امور عامہ دیتے رہیں"

اس کے جواب میں ڈاکٹر نے پھر یہ ایک نامعقول حیلہ لکھ بھیجا۔ کہ

"دفتر امور عامہ میں اطلاع خرچ دینے سے بعد کی جائے یا پیشتر"

ناظرین! آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ کن کن حیلوں اور بہانوں سے فیصلہ جات و احکامات حضرت صاحب کی تعمیل کو ٹلا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی طرف کے اشارے کا انتظار کر رہا ہے۔ اور اس کے آنے تک ایسے بیہودہ حیلوں سے وقت ٹلا رہا ہے۔ بہرحال اس حیلہ کو بھی حضرت صاحب نے اس طرح رفع کر دیا۔ کہ

"یہ ایک معمولی بات ہے۔ اطلاع دو دن پہلے دیجائے یا دو دن پیچھے مگر اطلاع بہرحال ملنی چاہیئے"

۳۱ جولائی کو ڈاکٹر عبداللہ کو لکھا گیا۔ کہ آپ کی طرف سے تین دن تک جواب آنا چاہیئے۔ کہ آپ نے تعمیل شروع کر دی ہے جس کا جواب ڈاکٹر نے ۷ اگست کو یہ دیا۔ کہ آج سے

"میں نے رہائش کے لئے مکان کی تلاش شروع کر دی ہے"

۸ اگست کو پھر ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا۔ کہ آپ نے یکم جولائی تک کی مُہلت تلاش مکان وغیرہ کے لئے مانگی تھی۔ وہ دیگئی۔ مگر آپ نے کوئی تعمیل نہ کی۔ اور ۷ اگست کو لکھا کہ اب مکان کی تلاش شروع ہوئی ہے۔ سو اس کو بھی آج ۱۸ اگست تک کئی دن گذر گئے۔ اس لئے اب تین دن کے اندر لکھیں۔ کہ کیا انتظام ہوا۔ اور اطلاع انکو ڈاکٹر فضل کریم صاحب انچارج نور ہسپتال کے ذریعہ دیگئی۔ انچارج صاحب کی طرف سے ۱۲ اگست کو یہ جواب آیا کہ

"میں نے دوبارہ تعمیل فیصلہ حضرت صاحب ڈاکٹر عبداللہ سے نہایت متانت اور محبت سے عرض کیا۔ لیکن انہوں نے اس کو اپنی ہتک خیال کیا۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا۔ کہ ایسا آسایش کا مکان ہو جس میں نوکر اور خوراک وغیرہ کا آپ انتظام کر دیں۔ تو پھر میں اس معاملہ پر صرف سوچ سکتا ہوں۔ فیصلہ کا قبول کرنا پھر بھی ضروری نہیں۔ وہ اپنے تئیں بے گناہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان فیصلہ جات کی تعمیل ہتک"

اس پر ڈاکٹر صاحب کو بتاریخ ۲۲ اگست ۱۹۲۶ء ناظر صاحب امور عامہ نے کئی خالی مکانات کا پتہ دیا۔ اور ساتھ ہی یہ لکھا۔ کہ اگر مکان نہ لیں۔ تو شفاخانہ کے کسی کوارٹر میں سر دست رہائش کر لیں۔ پھر آپ کو ایک موقعہ دیا جاتا ہے۔ دو دن کے اندر جواب دیں۔ ورنہ آپ کو مجبوراً معطل کرنا پڑیگا"

اس کے جواب میں ڈاکٹر عبداللہ نے لکھا کہ

"میں نے جو مُہلت یکم جولائی تک مانگی تھی اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ میں گھر کے لوگوں کو سمجھاؤں تاکہ بغیر تکلیف کے یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو جائے۔ اسی پر میری توجہ رہی ہے۔ اور چند روز سے مکان کی تلاش بھی شروع کی تھی۔ مگر قابل رہائش مکان دس بارہ روپیہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ماہوار کرایہ سے کم نہیں ملتا۔ اس لئے اگر میں اپنے مکان کے اوپر والے حصہ میں جو میرے قبضہ میں ہے۔ رہوں۔ تو ان مشکلات سے بچ سکتا ہوں۔ شفا خانہ میں کوئی مکان قابل رہائش نہیں "

اس کا فیصلہ حضرت صاحب نے یہ فرمایا۔ کہ "وہ اپنے مکان کے ایسے حصہ میں رہیں۔ جس کا دروازہ الگ ہو۔ مگر اپنی بیوی سے ملنا جلنا بات کرنا ترک کر دیں "

ڈاکٹر عبداللہ نے کھینچ تان کر مارچ ۲۷ء تک تو یا انتظار کسی موعود فی الذہن جواب کے جو کسی اَور طرف سے انکو آنیوالا تھا تعمیل فیصلہ کو پہنچا دیا ہے۔ پھر ۷ر مارچ ۱۹۲۷ء کو ناظر صاحب امور عامہ نے لکھا۔ کہ ۱۵ر مارچ ۲۷ء سے آپ فیصلہ جات کی تعمیل شروع کر دیں۔

اس پر ڈاکٹر صاحب نے ۱۳ر مارچ ۲۷ء کو یہ لکھکر عذر کر دیا۔ کہ

"اب تو رمضان شریف کا مہینہ آگیا جس میں سحری اور افطار کے لئے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ اگر وقت پر کھانا نہ ملے۔ تو میرے لئے مشکل ہے میں کوئی علیحدہ انتظام کر نہیں سکتا "

اس پر حضرت صاحب نے انکو رمضان کی مہینے تک کی مہلت دیدی۔ اور بعد اختتام رمضان تعمیل فیصلہ کے لئے لکھا۔ ۶ر اپریل ۲۷ء تک رمضان کا مہینہ ختم ہو چکا۔ تو ڈاکٹر عبداللہ کو تعمیل فیصلہ کے لئے لکھا گیا۔ اب وہ جواب جس کا ڈاکٹر صاحب کو انتظار تھا۔ پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اونہوں نے ۶ر اپریل کو تعمیل فیصلہ کے متعلق آخری جواب یہ دیدیا جو انچارج نور ہاسپٹل کی معرفت پہنچا کہ

"میں اس فیصلہ کی تعمیل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور جو میں نے پہلے تعمیل کے وعدے کئے تھے۔ وہ سب غلط تھے "

اس پر پہلی کارروائی سلسلہ کی طرف سے یہ ہوئی۔ کہ ۷ر اپریل ۲۷ء کو ڈاکٹر عبداللہ کو ہسپتال کی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں سارا واقعہ لکھکر آخری انجام کی درخواست کی گئی جس پہ ۲۸ر اپریل ۲۷ء کو حضرت صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی قسمت کا یہ فیصلہ فرما کر اعلان کر دیا۔ کہ

"تین سال کا عرصہ ہوا۔ کہ ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے لڑکے نے ایک عورت کو مارا شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا لیکن اس لڑکے کے لئے جو سزا تجویز کی گئی اس سے بچانے میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب نے پوری مدد کی۔ حتےٰ کہ جب اپیل میرے پاس آئی۔ تو اس لڑکے نے میرے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو بھی توجہ دلائی گئی۔ لیکن اونہوں نے بھی اس عذر کو پیش کیا۔ کہ لڑکا میرے بس کا نہیں ہے۔ حالانکہ واقعات سے ظاہر ہے۔ کہ یہ صرف بہانہ تھا۔ اس کے بعد جب ان سے کہا گیا۔ کہ اگر لڑکا اس طرح خلیفہ اور سلسلہ کی ہتک کرتا ہے۔ تو آپ اس سے قطع تعلق کر لیں۔ اور اوسے خرچ نہ دیں۔ تو اونہوں نے جواب دیا۔ کہ اس کی ماں اوسے خرچ دیتی ہے۔ جب کہا گیا۔ کہ اس صورت میں اس کی ماں سے قطع تعلق کریں۔ تو مختلف بہانے بنا کر قریباً ایک سال کا عرصہ گذار دیا۔ اور آخر میں رمضان گذرنے پر قطع تعلق کرنیکا اقرار کیا۔ مگر رمضان گذرنے پر بالکل انکار کر دیا۔ اوّل تو خلیفہ اور سلسلہ کی ہتک کا جرم پھر ایک احمدی عورت کی بے عزتی کا جرم پھر صریح اور متواتر جھوٹ جن کا ارتکاب اونہوں نے کیا ہے۔ یہ مجھے مجبور کرتے ہیں۔ کہ انکو جماعت سے علیحدہ کروں۔ ایسا منافق شخص جو ایک طرف بیعت کرتا ہے۔ دوسری طرف صریح احکام کی نافرمانی گستاخی اور سرکشوں کی امداد کرتا ہے۔ وہ ایک منٹ بھی جماعت میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو جماعت سے خارج کرتا ہوں "

یہ ہے ناظرین اس ڈاکٹر عبداللہ صاحب کا مختصر واقعہ جو صرف نمونہ کے طور پر اس کی احمدیت اور بیعت اور اخلاص اور مستریوں سے اوس کے کینکشن کے اظہار کے لئے لکھا ہے۔ ورنہ اس کی تحریریں جس قدر سخت اور گستاخانہ بلکہ معاندانہ ہیں ان میں سے اگر خلاصہ لکھنے لگوں تو کئی صفحے اخبار کے مطلوب ہیں۔ جن کو میں آئندہ کسی موقعہ کے لئے محفوظ رکھتا ہوں۔ اور ڈاکٹر عبداللہ صاحب کی اہلیہ صاحبہ کو تو سلسلہ سے پہلے بھی اتنا ہی تعلق تھا جتنا کہ مولوی صدرالدین پیغامی کو اب ہے۔ اس کا ذکر ہی میں نے چھوڑ دیا ہے۔ نیز ڈاکٹر عبداللہ کے ایک جوابی خط پر جو اس نے ۸ر جون ۲۴ء کو لکھا تھا حضرت صاحب نے ایک کمیشن بٹھائی۔ جس نے بعد تحقیقات ۱۴ر جون ۲۴ء کو رپورٹ پیش کی تھی۔ وہ بھی میں نے یہاں نقل نہیں کی۔ جس سے ڈاکٹر صاحب کی احمدیت کی اور بھی پردہ دری ہو جاتی ہے۔ وہ بھی پھر لکھونگا۔ اس وقت تو انکشاف حقیقت کی غرض سے اس ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ کرنا پڑا ہے۔ جو ۱۵ر مئی ۲۴ء کے ایک لمبے خط اسمی ناظر صاحب امور عامہ میں یہ دعوے کرتے تھے۔ کہ میں

"خدا کی کلام قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا اور رسول کو مانتا ہوں۔ حضرت اقدس جناب مسیح موعود نبی اللہ جری اللہ فی حلل الانبیاء پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور آپ کے بعد خلافت کا مصدق ہوں "

Digitized by Khilafat Library Rabwah

معلوم نہیں۔ کہ اب "پیغام جنگ" کا نام کھا کر بھی خلافت کے مصدق اور نبی اللہ کے مومن بالنبوت اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اُس وقت تھے یا کچھ ترمیم و تنسیخ کر کے پیغام پارٹی اور "اشرار المنافقین" کے ممبر بنے ہیں۔

غرض ڈاکٹر عبداللہ خارج از جماعت ہوتے ہی اپنے اصلی مقام لاہور میں پہنچکر حضرت امیر ایدہ اللہ" کے آستانہ پر جبہ سائی کے لئے حاضر ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اندھے اور کوڑھی کی جوڑی

اٰنت منی وانا منکم

جون ۱۹۲۳ء سے مستریان مشین سیویاں" روحانی مرض دق کے دوسرے درجہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اور ڈاکٹر کے متلاشی تھے۔ کہ مارچ ۱۹۲۴ء میں شیخ عبداللہ انکے ہمرد لیف ہوگئے۔ اور پھر بوساطت ڈاکٹر عبداللہ اپنے جدید رفیق کے سول سرجن پیغام بلڈنگ لاہور کے نسخے استعمال کرنے لگ گئے۔ جون ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر عبداللہ کے لڑکے اور بیوی کے اخراج از جماعت کا اعلان ہو چکا ہے جس کے بعد ڈاکٹر سے روزا فزوں مستریوں کا ارتباط بڑھنے لگا۔ لیکن بظاہر وہ ابھی تک داخل جماعت ہی سمجھے جاتے ہیں۔ گو انہوں نے اپنی کرتوتوں سے تمام منازل اخراج از جماعت کے متواتر فیصلہ جات کی نافرمانی کر کے طے کر لئے تھے۔ اور منکرین خلافت سے ساز باز ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی تک پیغام ہسپتال میں انڈور نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے رُخ انکا پیغام کی طرف کر لیا تھا کہ ۱۹۲۶ء میں ان کا معہود وقت ہلاکت بھی آگیا۔ جس کا ان کی شامت اعمال سے پیش آنا مقدر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۹۲۶ء کا آغاز اور مستریوں کا پروانہ

ان مزاذوا حکم واولاد کم عدوا لکم فاحذروھم

۲۳ء میں مستری فضل کریم کی لڑکی سکینہ کی شادی مرزا عبدالحق صاحب بی۔ اے ایل ایل بی سے ہو کر رخصتانہ ہو چکا تھا۔ ان کا بیٹا مستری عبدالکریم بھی مولوی عمرالدین صاحب شملوی کی دختر سے بیاہا جا چکا تھا۔ لیکن خود مستری فضل کریم دو داڑھ والئے تھے۔ اور پہلی دو بیویوں کو گھاٹ اتار کر تیسری کی تلاش تھی۔ کہ ۲۳ء کے سالانہ جلسہ پر بابو محمد یوسف صاحب کی افسوسناک موت انکی ڈھاب کے ذریعہ واقع ہوگئی۔

بابو محمد یوسف صاحب مرحوم

جالندھر کے رہنے والے بابو محمد یوسف صاحب مرحوم ایک مخلص احمدی دفتر آب و ہوا شملہ میں عہدہ سپرنٹنڈنٹ پانچ چھ سو روپیہ ماہوار کے ملازم تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ آمین۔ وہ ہر سال سالانہ جلسہ پر آیا کرتے تھے۔ اس سال بھی حسب دستور جلسہ پر آئے۔ چونکہ مرزا عبدالحق صاحب وکیل داماد مستری فضل کریم ان کے رشتہ دار تھے۔ اور اُن دنوں مرزا عبدالحق صاحب بھی بوجہ رشتہ دامادی مستری فضل کریم کے مکان پر مقیم تھے۔ اور یہ بھی جلسہ پر ہی آئے تھے۔ اس لئے بابو محمد یوسف صاحب مرحوم بھی وہاں ہی ٹھہر گئے۔ صبح کے وقت وہ نماز کے لئے جو اُٹھے۔ تو اس مردم خور ڈھاب کے کنارے جس پر فضل کریم کا مکان واقعہ ہے۔ استنجا کرنے کو گئے۔ اتفاقاً ان کا پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ ڈھاب میں گر کر فوت ہوگئے۔ یہ جلسہ کا قریباً پہلا یا دوسرا دن تھا۔ ان کی وفات کی اطلاع جالندھر میں انکے اہل و عیال کو دیگئی۔ ان کی اہلیہ صاحبہ معہ دیگر رشتہ داروں کے جنازہ دفن کرنے سے پیشتر قادیان مستری صاحب کے مکان پر ہی جہاں میت رکھی تھی۔ پہنچ گئیں۔ بعد تدفین ایک دن رہ کر وہ واپس اپنے گھر جالندھر چلی گئیں۔ ۲۵ء میں مرزا عبدالحق صاحب بی۔ اے کو احمدیہ کالج قادیان میں ٹیچر بنا دیا۔ اور وہ مستری فضل کریم کے گھر ہی رہنے لگے۔ کیونکہ ان کے داماد تھے۔

مستری فضل کریم کی بلند پروازی

بیوہ محمد یوسف صاحب مرحوم بھی بوجہ قرابت مرزا عبدالحق صاحب کے پاس معہ بچوں کے آگئیں۔ کیونکہ اُن کی سرپرستی انکے ہی سپرد ہوئی تھی۔ اور اسی مکان فضل کریم میں مرزا صاحب کے پاس رہنے لگیں۔ مستری فضل کریم کو مشین سیویاں کی تجارت نے ملک التجار بنا رکھا تھا۔ اور انکے دماغ میں یہ خبط سمایا۔ کہ بیوہ محمد یوسف صاحب سے نکاح ہو جائے۔ مستری مذکور نے بغیر اپنی اور اس کی حیثیت کا اندازہ لگانے کے خیالات کی بلندی کو یہاں تک پہنچایا۔ کہ "شیخ چلی" کو بھی مات کر دیا۔ آپ نے یہ سوچکر کہ بابو صاحب مرحوم چونکہ متمول آدمی تھے۔ اور شملہ جیسے سرد مقام میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کی بیوہ جبکہ میرے نکاح میں آنے والی ہے۔ تو اس کے لئے قادیان کو ہی شملہ بنا دیا جائے۔ تاکہ ان کو شملہ کی یاد نہ ستائے۔ اس دھن میں مشین سیویاں بلڈنگ کے اوپر ایک نعزیہ نما بالا خانی تعمیر کر لی جس میں چاروں طرف سے سرد ہوا کے جھونکے آ آکر شملہ کی یاد کو بھلا دیں۔ اور مخفی مخفی کچھ پارچات وغیرہ بنانے کی بھی تیاری شروع ہوگئی۔ اور دل ہی دل میں سب پختگی کرتے رہے۔ لیکن اپنی بد قسمتی سے ترسال رہکر اس بلند پروازی کو مرحوم کی بیوہ پر ابھی ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے۔ مگر سہ

نہاں کے ماند آن رازے کزو سازند محفلہا۔

آخر ایک دن مرزا عبدالحق صاحب کو میاں عطاء اللہ صاحب بی۔ اے کے ذریعہ یہ راز معلوم ہو گیا۔ اور ان سے بیوہ مرحوم کو پتہ لگا۔ بیوہ مرحوم سنتے ہی سخت غضبناک ہوگئیں۔ اور مرزا عبدالحق صاحب داماد مستری کو بھی نہایت ناگوار گذرا۔ کہ

"یہ منہ اور مسور کی دال"

اور انہوں نے فوراً مستری صاحب کا مکان چھوڑ کر دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا۔ ادھر مرزا عبدالحق صاحب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اپنے خسر کی اس حیثیت سے بڑھی ہوئی دلیری پر ناراض ہو گئے۔ ادھر بیوہ مرحوم بے حد بیزار ہو گئیں ایک طرف مستری صاحب کی دختر نیک اختر اُس بیوہ سے نیز اپنے شوہر سے کشیدہ ہونے لگی۔ کہ میرے باپ کا گھر کیوں نہیں بسنے دیا۔ دوسری جانب مستری کے فرزندان گرامی مستری عبد الکریم اور مولانا محمد زاہد کبیدہ دل ہوئے۔ کہ باوجود مرزا عبد الحق صاحب کے تعلق دامادی کے اور باایں ہمہ شان نشین سازی و بالاخانی کے ہم پھر بھی حقیر و ذلیل ہی رہے کہ ہمارے والد بزرگوار کو ایسا حقیر اور ذلیل سمجھکر جھڑک دیا۔ اور مکان بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر سوچ سمجھکر یہ تجویز نکالی۔ کہ آؤ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کو لکھیں۔ کہ وہ اس نکاح کی تجویز کرا دیں۔ گو یہ ہونا تو ممکن نہیں۔ لیکن ایک عذر تو ہمیں ہاتھ آ جائیگا۔ کہ دیکھو جی ہمنے تو حضرت صاحب سے بھی کہا۔ کہ یہ نکاح کرا دیں۔ مگر انہوں نے بھی جواب دیدیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت صاحب نے بوجہ اختلاف حالات فریقین نارضامندی خاتون اس پر کوئی توجہ نہ کی۔ یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ مستریوں کی ہلاکت ایمانی و روحانی کی تکمیل کے لئے یہ بھی ایک سبب بنجاتا ہے۔ اور انکے لئے مصیبت پر مصیبت لاتا ہے۔

مرتے کو مارے شاہ مدار

با درچہ خیالیم و فلک در چہ خیال

تقدیر الٰہی سے ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء میں اس قصہ کے چند دن بعد خود مرزا عبد الحق صاحب بی۔ اے وکیل داماد مستری صاحب سے ہی بیوہ محمد یوسف صاحب مرحوم کا نکاح ہو جاتا ہے۔ اور وہ خاتون جس کے لئے مستری فضل کریم صاحب خیالی پلاؤ پکا رہے تھے۔ وہ ان کی دختر سکینہ کی سوت (سوکن) بنجاتی ہے۔ جس سے ہر شخص خیال کر سکتا ہے۔ کہ خاندان مستریان عموماً اور دختر مستری صاحب پر خصوصاً اس نکاح سے کیا اثر پڑا ہوگا۔ پھر جبکہ ان کا یہ خیال بھی راسخ ہو گیا۔ کہ بجاز حضرت صاحب ہی یہ نکاح ہوا ہے۔ تب مستری اور ان کی لڑکی سکینہ کے غضب و غصہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس نکاح کا ہونا تھا۔ کہ مستریان کے دل میں یہ آگ بھڑک اُٹھی۔ کہ حضرت صاحب نے عمداً اس نکاح کو ہمیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے کرایا ہے اور ان کی لڑکی سکینہ نے بھی دل میں جالیا کہ میرے باپ سے نکاح نہیں ہونے دیا۔ اور میری ہی اس کو سوت بنا دیا ہے۔ اس واقعہ نے پہلے واقعات کے ساتھ مل کر مستریوں کو ارتداد کے آخری گڑھے تک پہنچا دیا۔ اور حضرت صاحب کے خلاف غیظ و غضب سے بھر گئے۔ اور انکے انتقامی جذبات بھڑک اُٹھے۔

ڈاکٹر عبد اللہ صاحب کو بھی اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کہ وہ انکو پورے طور پر مقابلہ کے لئے اُبھارے اہل پیغام بھی کامل مستعدی سے ان کو آگے بڑھا کر پیچھے سے سہارا دینے لگے۔ تجویزیں سوچنے لگے کہ کون سا تیر چلایا جائے۔ جو نشانہ پر لگے۔ مرزا عبد الحق صاحب داماد ہیں۔ ان پر بیش نہیں چلتی ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں لڑکی کو طلاق نہ دیدے۔ سارا غصہ اور ملال حضرت صاحب پر ہی ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کئے ہیں۔ اور ہماری درخواست نکاح بھی قبول نہ کی۔ اور مرزا عبد الحق صاحب سے اس کا نکاح کرا دیا۔ لڑکی کو یہی آگ بھڑک رہی ہے کہ حضرت صاحب نے دیدہ و دانستہ اس کو میری سوت بنوایا ہے۔ اب سوائے اس کے اپنی آگ کے بجھانے کا کوئی ذریعہ نہیں نظر آتا۔ کہ حضرت صاحب کے خلاف کوئی فتنہ پیدا کیا جائے۔ مگر کوئی بات ہاتھ نہیں آتی جس سے فتنہ پیدا کیا جا سکے۔ تو آخر بڑے منصوبوں کے بعد ایسی ناپاک باتیں کہنی شروع کیں جن کو بجز ناپاک اور گندہ فطرت کے کوئی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

مرزا عبد الحق صاحب کا نکاح ثانی جیسا کہ اوپر بیان کیا۔ اپریل ۲۶ء میں ہوا۔ اور مستریان مذکورہ ستمبر ۲۸ء میں اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ وہ عرصہ ہے۔ جس کا ذکر مستری عبد الکریم برادر اکبر مولانا محمد زاہد نے اپنے اشتہار "قادیان کے فتنہ کی حقیقت" کے صفحہ اول کی سطر ۸ و ۹ میں اس طرح کیا ہے۔ کہ

"قریباً عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا۔ (یعنے ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء یوم نکاح ثانی مرزا عبد الحق صاحب سے لے کر ستمبر ۱۹۲۸ء تک جبکہ مستریان نے شملہ پہنچکر عبد الحمید وغیرہ سے اپنے حال زار کا انکشاف کیا۔ فاروق) کہ ہمکو بعض واقعات معلوم ہونے پر جناب میاں صاحب سے عقیدت کم ہو گئی"

اور مولانا محمد زاہد اپنی کھلی چٹھی مطبوعہ ۲۹ ماہ اگست ۱۹۲۸ء کے صفحہ اوّل کالم پہلا سطر ۱ میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ

"عرصہ دو سال کا (یوم طبع چٹھی مذکور تک جو اگست میں شائع کی ہے۔ فاروق) ہوا۔ کہ ہم بھی ان اعتراضات سے جو ان کی ذات پر ہوتے رہے ہیں۔ متاثر ہوئے"

پس یہ ڈیڑھ سال کا ٹھیک وہ زمانہ ہے۔ جب کہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء میں مرزا عبد الحق صاحب کا نکاح ثانی ہوتا ہے۔ اور مستری فضل کریم اپنی آرزو میں ناکام رہ جاتے ہیں۔ کہ معاً ان کے سامنے ایسے الزامات آ جاتے ہیں۔ جن سے متاثر ہو کر یہ اپنی عقیدت کا کم ہونا بتاتے ہیں۔ اس سے پہلے عقیدت کو کم کرنے والے الزامات کا نام و نشان نہ تھا۔ یہ سب کچھ سکینہ دختر مستری فضل کریم پر سوت کے آنے اور مرزا عبد الحق صاحب کے نکاح ثانی کرنے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ ... تہ کیا وجہ ہے کہ اس نکاح سے پہلے جبکہ چودہ سال سے ایسے الزامات بقول مولانا محمد زاہد خلیفہ کی ذات پر لگتے چلے آ رہے تھے یہ متاثر نہ ہوئے۔ مرزا عبد الحق صاحب کے نکاح کرتے ہی اور مستری فضل کریم صاحب کی دختر زوجہ مرزا عبد الحق صاحب پر سوت کے آتے ہی یہ الزامات متاثر کرنے لگ گئے۔ سوچو اور خوب سوچو۔ کہ کیا یہ درست نہیں کہ وہ پہلے ہی مقدمات سے نفاق کا بیج اپنے دل میں بو چکے تھے۔ مگر اُس وقت یہ باتیں نہ معلوم ہوئیں۔ یہ اُسی وقت اثر انداز ہونے لگیں۔ جب ڈاکٹر عبد اللہ کی رفاقت اور پیغام پارٹی کی شفقت اور مرزا عبد الحق صاحب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے نکاح اور سکینہ دختر خود کی سوت کے آنے نے انکو اُبھارا۔

احمقانہ ڈیفنس،

مستری عبدالکریم ابن فضل کریم اپنے پہلے اشتہار کے صفحہ ۳ کالم اول میں کیا جاہلانہ جواب اور احمقانہ ڈیفنس اس نکاح کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ کہ

"رہا۔ ایک عورت کا سوت بن جانا تو یہ کوئی عجیب بات نہ تھی"

واقعی سوت بنجانا تو عجیب بات نہ تھی لیکن ایک ایسی عورت کا سوت بن جانا جس کے نکاح کی تمنا آپ کے والد بزرگوار کو تھی۔ اور اس عورت کی سوت بن جانا جو آپ کی ہمشیرہ اور فضل کریم صاحب کی دختر تھی۔ اور ایسے وقت بن جانا جبکہ آپ کے والد پر وہ ناراض ہوکر آپ کے مکان کو چھوڑکر چلی گئی تھی۔ اور آپ کے والد کو حقارت کی نظر سے جھڑک دینا اور معًا آپ کی درخواست کی نامنظوری کے بعد مرزا عبدالحق صاحب سے نکاح کرلینا عجیب بات تھی۔ پس سچی بات کو چھپاکر ملمع سازی سے دنیا کو دہوکہ دینا آجکل آسان نہیں ہے۔ آگے آپ فرماتے ہیں۔

"جبکہ ایک سے لے کر چار تک کی اجازت ہے۔ تو یہ امر موجب ناراضگی ہو کیسے سکتا ہے"

قربان جائیے اس جواب کے۔ جناب من یہ امر موجب ناراضگی ایسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے والد نے اس خاتون سے اپنا نکاح چاہا۔ جب اس کو اس ارادہ کا پتہ لگا۔ تو وہ آپ کے والد کو دھتکار بتا کر مکان چھوڑ کر چلی گئی۔ آپ کا داماد بھی آپ کی اس حرکت نازیبا سے خفا ہوا۔ آپ نے حضرت صاحب کو اس نکاح کے لئے لکھا۔ حضور نے بوجہ نارضامندی اس خاتون کے اور بوجہ تفاوت حالات جانبین کے اس تعلق کو مناسب نہ سمجھا۔ اور پھر فوراً مرزا عبدالحق صاحب سے نکاح ہوگیا۔ تو اس سے آپ کو اور آپ کے باپ کو ٹھنڈک پہنچی تھی۔ یا آگ لگ گئی تھی۔ ایمان سے کہو۔ یہ بات اسی طرح ہے یا نہیں پس مستری جی یوں یہ امر موجب ناراضگی ہوا ہے۔

او مستری فضل کریم! کیا تجھے وہ دن یاد ہے۔ کہ جبکہ تو میرے مکان پر بعد عصر آیا تھا۔ اور تونے اپنے فرزند ناخلف محمد زاہد کا ماجرا سنایا تھا۔ اور میں نے اور اخویم خانصاحب ذوالفقار علی خان نے تجھے سمجھایا تھا جس کے بعد تو نے اپنے اطمینان اور تسلی دلی کا اظہار کیا تھا۔ اور حضرت خلیفہ ثانی کی صداقت اور راستبازی کا دل سے اقرار کیا تھا۔ اور اپنے ناخلف زاہد کو ہی جھوٹا بتلایا تھا۔ آج انہیں باتوں کو اپنی بدقسمتی سے دوسروں کے پھندے میں پھنسکر اپنی ذلت دینی و دنیوی کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ خدا سے ڈر۔ مرنا یاد کر۔ قبر میں تیرے نہ زاہد کام آئیگا نہ عبدالکریم۔ نہ سکینہ اور نہ عبداللہ ڈاکٹر نہ زمیندار اور نہ آتش باز۔ نہ امیر پیغام اور نہ صدرالدین جیسا بدزبان۔ کیوں اپنی ذلت کراتا اور لڑکوں کے ہاتھوں رسوائی اُٹھاتا ہے۔

او نادان! زاہد کو دیکھ اور سکینہ کو۔ اور پھر اس انسان کو دیکھ۔ جس کے واسطے خدا نے بار بار اپنے برگزیدہ مسیح موعود علیہ السلام کو بشارتیں دیں۔ اور خود تجھے خوابوں میں اس کی پاکیزگی جتلائی۔ مگر تجھے پھر بھی ہوش نہ آئی۔ یاد رکھ چاند پر تھوکنے سے منہ پر ہی پڑیگا۔ اور پڑ رہا ہے۔ خدا کے چاند پر تیرے بنائے ہوئے بادل اندھیرا نہیں ڈال سکتے۔ وہ **یوسف** ہے **محمود** ہے۔ **مصلح موعود** ہے۔ خدا کا وعدہ ہے۔ کہ ؎

کردوں گا دُور اس مہ سے اندھیرا،
دکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا،

تیرے بیٹے تجھے ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں استغفار کر۔ اپنی شامت اعمال سے پناہ مانگ۔ خدا سے مدد طلب کر۔ ان بیہودگیوں کو چھوڑ دے۔ یاد رکھ یہ تیری اولاد تیرے لئے فتنہ ہے۔ خود ہلاک ہوگئی اور تجھے ہلاک کر رہی ہے۔ ابھی وقت ہے سنبھل جا۔ خدا غفورالرحیم ہے۔ ستار ہے۔ اس سے معافی مانگ یہ میری خیر خواہانہ نصیحت ہے ؎

مانوں نہ مانوں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائینگے

آگے میں۔ بحولہ تو بہ تیرے تباہ کنندگان کی "انکشاف حقیقت" کا انکشاف کرتا ہوں۔ جس پر تیرے پشت پناہوں اور بہی خواہوں کو بڑا ناز ہے۔ اور جس کو محض فریب دہی کی نیت سے رنگ برنگی طرزوں سے شائع کرکے دنیا کو دہوکہ دینا چاہا ہے۔ اب ذرا اپنے "آخری طریق فیصلہ مباہلہ" کا جواب سُن۔

مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کا جواب

مستری فضل کریم اینڈ سنز نے "قادیان کے فتنہ کی حقیقت" "فتنہ قادیان کی اصل حقیقت" "کھلی چھٹی بخدمت خلیفہ قادیان" "انکشاف حقیقت" یہ چار اشتہار اپنی اور اپنے پیشواؤں کی پوری طاقت اور علم کو صرف کرکے بڑی منصوبہ بازی سے لکھکر کثرت کے ساتھ حسب ایماء "ایم۔ اے اینڈ کو" لوگوں میں شائع کرکے ان سب نااہل منکرین۔ جاہل منافقین اور راہل فاسقین نے یہ سمجھ لیا۔ کہ بس اب سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مٹا ہی ڈالیں گے۔ یا خلافت حقہ سے لوگوں کو ہٹاکر شیطان کے پیچھے لگالیں گے۔ غرض "چھوٹا منہ بڑی بات" والی مثل کا مصداق بنکر مستری فضل کریم مشین بیویاں گھڑنے والے اور مستری عبدالکریم چکی میں آٹا پیسنے والے اور محمد زاہد موٹر چلانے والے نے ان اشتہارات میں لکھا۔ کہ

(۱) "ہمارا مطالبہ صرف اس قدر ہے۔ کہ میاں صاحب (خلیفۃ المسیح) موکد بعذاب قسم کھائیں۔ کہ جو الزام ان کے چال چلن کے متعلق ہے وہ جھوٹ اور افترا ہے۔ پس تسلی اور تشفی اس آسان طریق سے ہو سکتی ہے" (پہلا اشتہار صفحہ ۳ کالم ۳)

(۲) "آخری اور کھلی راہ مباہلہ ہے۔ جو آپ کو اختیار کرنی چاہیئے" "اور آپ تمام لوگوں سے جو الزامات پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ مباہلہ کریں تاکہ ایسے تمام لوگ جو آپ کے نزدیک بے جا الزامات لگاتے ہیں۔ نیست و نابود ہو جائیں"

"اگر اس کا جواب نہ دیا جائیگا۔ تو یہ ثابت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہو جائیگا۔ کہ تمام اعتراضات بالکل سچے ہیں اور آپ قاصر ہیں۔ کہ ان کا جواب دے سکیں۔"

"خود بانیٔ سلسلہ کے نزدیک ایسے حالات میں مباہلہ ہی ایک فیصلہ کُن طریق ہے۔ اور ہم اس طریق کے اختیار کرنے میں حق بجانب۔"

(انکشاف حقیقت صفحہ ۴-۵)

یہ مندرجہ بالا مطالبہ مستریوں کی طرف سے شایع ہو رہا ہے۔ اور اسی کو فیصلہ کُن بتایا جاکر ناواقفوں کو دہوکہ دینے کی کوشش جاری ہے۔ اور اس مطالبہ کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک حوالہ پر رکھی گئی ہے۔ جو آگے آتا ہے۔ اور اس پر اس قدر زور دیکر ناز کیا جاتا ہے۔ کہ جس سے آپ کی سخن فہمی کا خاتمہ ہو کر قرآن و شریعت سے عدم واقفیت اور مولویت کی پردہ دری ہی ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جناب نواب محمد علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ کے خط مباہلہ کے جواب میں ایک خط لکھا۔ جو الحکم ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۷ پر طبع ہوا ہے۔ اس میں حضور نے فرمایا۔ کہ

حضرت اقدس کا حوالۂ مباہلہ

"واضح رہے کہ صرف دو صورت میں مباہلہ جائز ہے۔

اوّل اس کافر کے ساتھ جو یہ دعویٰ رکھتا ہو۔ کہ مجھے یقیناً معلوم ہے۔ کہ اسلام حق نہیں۔

دوم۔ اس ظالم کے ساتھ جو ایک بیجا تہمت کسی پر لگاکر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً ایک مستورہ (پردہ نشین) کو کہتا ہے۔ کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ عورت زانیہ ہے۔ کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو زنا کرتے دیکھا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ شراب خوار ہے۔ کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مُباہلہ جائز ہے۔ کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں۔ بلکہ ایک شخص اپنے یقین اور رویت پر بنا رکھ کر ایک مومن بھائی کو ذلت پہنچانا چاہتا ہے۔ جیسے مولوی اسمٰعیل صاحب نے کیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ یہ میرے ایک دوست کی چشم دید بات ہے۔ کہ مرزا غلام احمد پوشیدہ طور پر آلات نجوم اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور انہیں کے ذریعہ سے کچھ کچھ آیندہ کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو کہدیتا ہے۔ کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ سو مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس عاجز کی دیانت اور صدق پر ایک تہمت لگائی تھی جس کی اپنے ایک دوست کی رویت پر بنا رکھی تھی۔ ... غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی قطع اور یقین پر بنا رکھکر دوسرے کو مفتری اور زانی وغیرہ قرار دیتے ہیں۔" (الحکم مذکور ص)

دوسرا حوالہ

پھر ایک اور جگہ حضرت اقدسؑ عبد الحق غزنوی کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

"میاں عبد الحق صاحب اپنے دوسرے اشتہار میں اس عاجز کو یہ لکھتے ہیں کہ اگر مباہلہ مسلمانوں سے بوجہ اختلاف جزئیہ جائز نہیں۔ تو پھر تم نے مولوی اسمٰعیل سے کیوں مباہلہ کی درخواست کی۔ سو انہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ درخواست کسی جزئی اختلاف کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اُس افترا کا جواب ہے۔ جو انہوں نے عمداً کیا۔ اور یہ کہا۔ کہ میرا ایک دوست جس کی بات پر مجھے بکلّی اعتماد ہے۔ دو مہینہ قادیان میں مرزا غلام احمد کے مکان پر رہ کر بچشم خود دیکھ آیا ہے۔ کہ ان کے پاس آلات نجوم ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ سے وہ آیندہ کی خبریں بتلاتے اور ان کا نام الہام رکھ لیتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس صورت کو جزئی اختلاف سے کیا تعلق ہے۔ بلکہ یہ تو اس قسم کی بات ہے۔ جیسے کوئی کسی کی نسبت یہ کہے۔ کہ میں نے اس کو بچشم خود زنا کرتے یا بچشم خود شراب پیتے دیکھا اگر میں اس بے بنیاد افترا کے لئے مباہلہ کی درخواست نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۳)

مستریوں کی تعلّی

ان دونوں حوالوں کو مستریوں نے بار بار اپنے اشتہارات میں نقل کر کے تعلّی کی ہے۔ کہ "کیا حضرت مسیح موعودؑ کے فیصلہ کی کوئی تاویل ممکن ہے۔ اور صریح الفاظ کو کسی طرح ہم پھیر بھی سکتے ہیں۔" (پہلا اشتہار ص۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ "کیا مذکورہ بالا حوالہ جات کی موجودگی میں یہ عذر کیا جا سکتا ہے کہ ایسا مباہلہ شریعت کے خلاف ہے۔ اول تو خلیفہ صاحب یا ان کے کسی مرید کا یہ حق نہیں۔ کہ وہ بانیٔ سلسلہ کے حکم یا فتوے سے انکار کر سکے۔ لیکن اگر اس انکار میں ہی بہتری خیال کی گئی ہے۔ تو یہی واجب ہے کہ یہ دلائل یہ واضح کیا جائے۔ کہ کیونکر یہ فتویٰ غلط ہے۔"

(انکشاف حقیقت ص۷ کالم ۲)

مستریوں اور ان کے حمائتیوں کی جہالت

ان دونوں حوالوں کی حقیقت بتانے سے پہلے اس امر کو واضح کرتا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کے اس فتوے سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی معمولی عقل کا بھی انسان ہو تو وہ اس حماقت میں کبھی مبتلا نہ ہوگا۔ جس میں مستری اور ان کے مُشتری مبتلا ہیں۔ اور دانستہ دنیا کو اپنے جیسا بے وقوف سمجھکر فریب دینا چاہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان حوالوں سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہیں۔

(۱) مباہلہ کا چیلنج دینے کا صرف اُس شخص کو حق ہے۔ جس پر الزام لگایا جائے۔ نہ کہ الزام لگانے والوں کو۔ جیسا کہ مستورہ پر الزام لگانے والے "ظالم کے ساتھ" مباہلہ کا عورت کو حق دیا گیا ہے۔

(۲) الزام لگانے والوں کو بھی اس صورت میں مباہلہ کی طرف بُلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے لگائے ہوئے الزام کی بنا قطع اور یقین اور چشم دید رویت پر رکھتے ہوں۔ ورنہ نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چشم دید رویت پر اعتماد کر کے اوس دوسرے کی رویت کو بمنزلہ اپنی رویت کے سمجھکر بغیر کسی شک و شبہ کے یقین کر لیتا ہے۔ اور اس بنا پر الزام لگاتا ہے۔ تو ایسے شخص کو بھی وہ شخص جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ مباہلہ کی طرف بُلا سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی اسمٰعیل والی مثال سے ظاہر ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(۴) لیکن اس قسم کا مباہلہ بھی اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ صرف جائز رکھا ہے۔ کہ اگر وہ چاہے۔ تو الزام دینے والے فریق سے مباہلہ کر سکتا ہے۔ نہ کہ اس پر فرض و واجب ہے کہ وہ الزام لگانے والوں سے ضرور مباہلہ کرے۔ یہ امور بالصراحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ صدر حوالوں سے ثابت ہوتے ہیں۔ سوان کے مطابق ہمنے مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو دیکھنا ہے۔ کہ وہ کیا وقعت رکھتا ہے۔

پس بموجب امر اوّل مستریان کو تو قطعاً کوئی حق نہیں۔ کہ وہ اس معاملہ میں مباہلہ کا چیلنج دیں۔ لہذا پہلے وہ یہ ثابت کریں۔ کہ قرآن و حدیث و فقہ کے کس حکم یا حضرت مسیح موعودؑ کے کس فتوے کی بناء پر ان کو مطالبہ کا حق ہے۔ جب تک وہ شریعت کا کوئی حکم نہ بتائیں۔ ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ یہ کہیں۔ کہ "یہ آپ کا فرض تھا۔ کہ اتنا بڑا اعتراض جو آپ کی ذات پر ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے ہر وقت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوتے"

(انکشاف حقیقت صفحہ ۵ کالم اول)

بموجب امر دوئم بحوالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام الزام لگانیوالوں کو بھی اس صورت میں مباہلہ کی طرف بُلایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے لگائے ہوئے الزام کی بناء قطع اور یقین اور چشم دید رویت پر رکھتے ہوں۔ ورنہ نہیں۔ لیکن مستریوں کے اپنے بیانات سے ثابت ہے۔ کہ ان کے الزاموں کی بناء کسی چشم دید رویت یا قطع ویقین پر نہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی تحریروں میں خود لکھتے ہیں۔ کہ "یہ عرصہ دو سال کا ہوا۔ کہ ہم ان اعتراضات سے جو چودہ سال سے آپ کی ذات پر ہوتے رہے متاثر ہوئے"

(کھلی چٹھی محمد زاہد)

کیا یہ چودہ سالہ اعتراضات چشم دید رویت پر یقین کرکے ہوتے رہے یا منافقین کی افواہوں پر مبنی تھے۔ جن کو آپ ان سے سُنتے رہے۔ یا آپ نے اپنی آنکھوں سے ایسا دیکھا؟ پھر دوسری جگہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ "یہ ان الزامات کے خلاف مباہلہ ہو جو جناب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں" (قادیان کے فتنہ کی حقیقت مشتہرہ مستری عبدالکریم) کیا اس کا نام بھی چشم دید رویت رکھا جا سکتا ہے؟ پھر تیسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ "یہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ قادیان میں ایک کافی جماعت عرصہ دراز سے اس قسم کے سوالات کرنیوالی موجود ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ایسے سوالات اُٹھتے رہے ہیں۔ اب چند لوگوں نے ان سوالات کا حل کرنا چاہا۔ تا ایک ہی دفعہ تمام اعتراضات کا فیصلہ ہو جائے"

(انکشاف حقیقت مستری فضل کریم ص۲)

"وہ قادیان کی کافی جماعت" چشم دید شہادت اور رویت پر ایسے سوالات کرنیوالی زندہ موجود ہے۔ یا اس کا نام ونشان مٹ گیا۔ کہ آپ مستریان نے ان کی قائمقامی میں ان سے سُنے ہوئے اعتراضات کا مباہلہ سے فیصلہ کرنا چاہا؟ اور اس کا نام چشم دید رویت اور یقین و قطع رکھ لیا؟ اگر یہی بات ہے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات کی بناء پر کس عقل و علم سے آپ مباہلہ کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ آپ کی قادیان والی گمنام و نشان کافی جماعت کا کوئی وجود ہی دنیا میں موجود نہیں؟ ان سب اقراروں کے علاوہ اس امر کا یہی ثبوت کہ مستریوں کے پاس ایسے الزامات کا کوئی شرعی اور قانونی چشم دید رویت کا ثبوت ذرہ بھر بھی نہیں۔ بلکہ یہ محض انتقامی جذبہ کے تجارات کا نتیجہ ہے۔ اور بنائی ہوئی باتیں جن پر خود ان کو یقین نہیں۔ مستریوں کا وہ حلفی بیان ہے۔ جو انہوں نے عدالت میں دیا ہے۔ کہ

ہمنے ایسی باتیں سُنیں۔ جن سے ان کے
چال چلن کے متعلق ہمیں شک و شبہ ہوا۔

کہو مستریو! اسی برتے پر مباہلہ مباہلہ پکارے جاتے ہو۔ اور بے شرم ہو کر لکھتے ہو۔ کہ "یہ آپ

تمام لوگوں سے جو الزامات پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ مباہلہ کریں" (انکشاف حقیقت ص۲ کالم ۳)

کیا یقین کامل رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔ جو عدالت میں بیان دیتے ہیں۔ کہ سُنی سُنائی باتوں سے ان کے چال چلن کے متعلق ہمیں شک و شبہ ہوا۔ ایسے شک و شبہ پر الزام دینے والوں کے متعلق ہی حضرت مسیح موعودؑ کے وہ حوالے نقل کرکے پھولے نہیں سماتے ہو جن میں لکھا ہے۔ کہ اُن الزام دینے والوں سے مباہلہ ہو سکتا ہے۔ جن کے الزاموں کی بنا قطع ویقین اور چشم دید رویت پر ہو۔ افسوس تمہاری دیانت پر اور حیف ہے تمہاری عقل پر۔ دیکھو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے جس خط کو تم ظاہر نہیں کرتے۔ اور بار بار یہی کہتے ہو۔ کہ ہمارے کسی خط کا جواب نہ دیا۔ اور یہ جواب دیا ہے۔ وہ صرف اتنا ہی ہے۔ کہ "یہ ایسا مباہلہ شریعت کے بالکل خلاف ہوگا" (انکشاف حقیقت ص۵ کالم ۳) گویا اس ۱۶ صفحہ کے خط میں یہ دو حرف لکھکر آپکو بھیجے تھے۔ حالانکہ بابو عبدالحمید صاحب کے جواب میں ۱۶ صفحہ کا جو مفصل خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے لکھا تھا۔ اس میں نہایت وضاحت کے ساتھ ان باتوں کا جواب دیا تھا۔ جو بابو صاحب مذکور نے پیش کی تھیں۔ اور سُنی سُنائی باتوں پر الزام لگانے والوں کے متعلق لکھا کہ "آپ کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ الزام لگانے والے کن اخلاق کے آدمی ہیں۔ کسی آدمی کا کوئی ایک دعویٰ نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ اس کی عام اخلاقی اور دماغی حالت دیکھی جاتی ہے۔ ایک ادنے سے ادنے آدمی پر الزام لگانے والے کے متعلق بھی ہمارا پہلا فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ دیکھیں۔ کہ آیا وہ گواہ عادل ہیں یا نہیں۔ اگر وہ راستباز نہ ہوں۔ یا ان کی دماغی کیفیت قابل تسلی نہ ہو۔ تو ان کی گواہی کسی صورت میں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ کیا کوئی دیانت داری سے یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ جو مجھ پر اعتراض کرنیوالے ہیں۔ اپنی اخلاقی یا دماغی حالت میں قابل تسلی ہیں۔ کیا اسلام کا درد شریعت کی پابندی راستبازی کا وہ اعلا معیار جو شہادت کے لئے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فجور کا ہے۔ ان میں پایا جاتا ہے۔ کیا ان کے بیانات مختلف لوگوں کے پاس مختلف نہیں ہیں۔ کیا وہ خود اپنے کئی جھوٹوں کے معترف نہیں۔ کیا ان کے دوست اور واقف ان کی نسبت یہ شہادت نہیں دیتے۔ کہ انہیں جھوٹ بولنے سے عار نہیں ہے۔ کیا وہ اپنی نسبت دلیری سے کئی قسم کے عیوب بیان نہیں کرتے۔ اگر یہ درست ہے۔ تو جو شخص اپنے جرموں کو علے الاعلان بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔ اس کے دوسروں پر الزام لگانے کو کون عقلمند تسلیم کریگا۔ اس کا اپنے جرم کا اقرار کر لینا یہ ثابت نہیں کرتا۔ کہ وہ بڑا نیک ہے۔ کیونکہ شریعت تو گناہ کو ظاہر کرنے سے روکتی ہے۔ جب تک قاضی کے سامنے شہادت کے موقعہ پر اس کا بیان کرنا از روئے شریعت ضروری نہ ہو۔ پس جو شخص بلا وجہ اپنی نسبت بدکاریاں اور عیوب منسوب کرتا ہے۔ اس کو تو شریعت شاہد عادل ہی قرار نہیں دیتی۔

اے مستریو! تم اپنی حالتوں پر غور کرو۔ اور سوچو کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی۔ اور جو سنی سنائی باتوں سے شک و شبہ میں گرفتار ہونا عدالت میں تسلیم کر چکے ہوں۔ کیا وہ بھی یہ حق رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ پر بنیاد رکھ کر کسی مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کردہ شرائط مباہلہ میں سے ایک شرط بھی یہاں موجود نہیں۔ نہ یقین ہے۔ نہ رویت پر بنا ہے۔ نہ کوئی شاہد عادل ہے۔ جس کی بنا پر اس شخص کو جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ مباہلہ کرنا حضرت مسیح موعودؑ کے فتویٰ کی رو سے شرعاً جائز ہو۔

تیسرا امر جو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ کسی دوسرے کی چشم دید رویت کو بمنزلہ اپنی رویت کے قرار دینے والے سے ہی وہ شخص جس پر الزام لگایا گیا ہے مباہلہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی اسمٰعیل والی مثال سے ظاہر ہے۔

سو اس کے مطابق بھی مستریوں کا حق نہیں۔ کہ وہ مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اس کے رو سے بھی مباہلہ کا حق اسی شخص کو ہے۔ جس پر الزام لگایا جائے نہ کہ مستریوں کو جو سنی سنائی باتوں پر شک و شبہ کرتے ہیں۔ دوم ہمنے جہاں تک ان کی تحریروں کو پڑھا۔ ان میں کسی ایک جگہ بھی لکھا نہیں دیکھا۔ کہ فلاں شخص کی چشم دید رویت پر مستریوں نے یقین حاصل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود ان کے اپنے تراشیدہ الزامات ہیں۔ اس لئے یہ کسی کا نام بتا سکتے ہی نہیں۔ کہ فلاں شخص کی چشم دید گواہی پر انہوں نے یہ مطالبہ کیا ہے۔ ورنہ عدالت میں یہ نہ کہتے۔ کہ "ہمیں سنی سنائی باتوں سے انکے چال چلن کے متعلق شک و شبہ ہوا"۔ صاف کھولکر اس چشم دید رویت والے گواہ کو پیش کرتے۔ اور اس کا نام بتاتے۔ یا خدا کے اس وعید سے ڈر جاتے۔ جو ان بعض الظن اثم میں فرمایا گیا ہے۔

مولوی اسمٰعیل والی مثال نے اس امر کو نہایت واضح کر دیا ہے۔ کہ اسمٰعیل نے حضرت مسیح موعودؑ پر یہ الزام لگایا۔ کہ وہ آلات نجوم سے کام لے کر آئندہ کی خبریں بتاتے ہیں۔ اور فریب سے ان کا نام الہام رکھتے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو مباہلہ کے لئے بلایا۔ نہ کہ اسمٰعیل نے کوئی مباہلہ کا مطالبہ اپنے دوست کی چشم دید گواہی پر اعتماد کر کے حضرت صاحب سے کیا۔ خلاف اسکے حضرت خلیفۃ المسیح پر مستریوں نے جو کچھ بھی الزام لگایا۔ وہ کسی دوسرے کی رویت پر بنا رکھکر نہیں لگایا۔ بلکہ اپنا ہی تراشیدہ الزام لگایا۔

چوتھا امر جو حضرت مسیح موعودؑ کے حوالجات سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہے۔ کہ۔ اس قسم کا مباہلہ کرنا بھی جن کی مثالیں حضرت مسیح موعودؑ کے حوالہ جات میں ہیں۔ صرف اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ جائز ہے نہ کہ فرض و واجب۔ سو اس بنا پر بھی مستریوں کو کوئی حق نہیں۔ کہ مباہلہ کا مطالبہ کریں۔ یہ اُسی کے لئے جائز ہے جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ اگر اس کے مناسب حال ہو تو کرے۔ اور اگر خلاف شان ہو تو نہ کرے۔ بلکہ جو شرعی طریق ایسے الزامات کا بتایا گیا ہے۔ اس کو استعمال کرے۔ (اسی لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے بوجوہات شرعی جن کا ذکر وہ اپنے مکتوب اسمی بابو عبدالحمید میں فرما چکے ہیں۔ اور میں بھی انکو نقل کرونگا) مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو خلاف شریعت قرار دیا ہے۔

ایک سوال اور اسکا جواب

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے حوالوں سے یہ امر تو بے شک ثابت ہو گیا۔ کہ مباہلہ کے مطالبہ کا الزام دینے والوں کو کوئی حق نہیں۔ جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ اُسی کو حق ہے۔ کہ وہ الزام دہندگان سے مباہلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جب تک الزام کی بنا کسی عینی شہادت اور چشم دید رویت پر نہ ہو۔ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ مستریوں کے پاس کوئی رویت کی یقینی چشم دید شہادت نہیں۔ صرف سنی سنائی باتوں سے وہ شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں۔ لیکن اگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ ہی مباہلہ کا چیلنج فریق ثانی کو دیکر فیصلہ کر لیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس شخص کے لئے جس پر الزام لگایا جائے۔ مباہلہ کرنا جائز رکھا ہے۔ تو اس میں کیا حرج ہے؟

فاما الجواب

بے شک اگر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ مستریوں کے مطالبہ کو منظور فرمالیں۔ تو بوجوہات ذیل نہ صرف حرج ہے۔ بلکہ گناہ ہے۔

اول۔ مستریوں کا مباہلہ شریعت اور حضرت مسیح موعودؑ کے فتوے کے خلاف ہے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کے فتویٰ کا ماخذ قرآن مجید کا وہ حکم لعان ہے۔ جو سورۃ نور کی آیت والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم الآیۃ میں مذکور ہے۔ اگر یہ فتویٰ اس حکم سے مستنبط نہیں۔ تو بتاؤ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن مجید کی کس آیت سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس کو نکالا ہے۔ اور اگر اس آیت لعان سے ماخوذ نہیں پھر تو قرآن مجید کی دوسری آیت کے جو اس سورۂ نور میں والذین یرمون المحصنٰت ہے۔ صریح خلاف ہو جاتا ہے۔ پس یا تو اس فتوے کو سورۂ نور کی اول الذکر آیت سے ماخوذ مانو یا اس کا قرآن و حدیث سے کوئی ماخذ بتاؤ۔ ورنہ آیت ثانی الذکر کے خلاف قرار دو۔ کسی شق کو اختیار کرلو۔ مستریوں کا مطالبہ ہر صورت میں خلاف شریعت ہوگا۔ پس حضرت خلیفۃ المسیح کس طرح ایک خلاف شریعت امر کو قبول کر سکتے ہیں۔

دوم مستریوں کا مطالبہ قرآن مجید کے اس صریح حکم کے خلاف ہے۔ جو سورۂ نور کی آیت والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ الایۃ میں بتایا گیا ہے۔ کہ جو لوگ نیک مرد اور نیک عورتوں پر گندے الزام لگاتے ہیں۔ ان سے چار رویت کے گواہ طلب کرو۔ پھر اگر وہ ایسے گواہ نہ پیش کریں۔ تو انکو اسّی کوڑے مارو اور آئندہ انکی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ لفظ محصنٰت میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں۔ اس لئے اگر حضرت خلیفۃ المسیح مستریوں کے مطالبہ پر مباہلہ کر دیں۔ تو اس آیت کے خلاف عمل کرنے والے ہونگے۔ دیکھو اسلامی حکومت میں اگر یہ مستری ایسا گندہ الزام لگاتے تو ان کو خلاف شریعت مباہلہ کے مطالبہ کی اجازت دیجاتی یا ان سے حسب ارشاد باری چار چشم دید گواہ طلب کئے جاتے۔ اور بصورت نہ پیش کرنے کے ان کی پشت یا سُرین لال کیجاتی۔ یہی تو اس میں بھید ہے۔ کہ یہ دلیری سے ایسی باتیں تراشتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ ہمیں کس نے پوچھنا ہے۔ اور یہ خیال ان کا صحیح ہے کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بوجہ اپنے نازک منصب خلافت کے ان کی ہتک آمیز باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر وہ ایسی ہی باتیں کسی معمولی آدمی کے حق میں کہیں۔ تو وہ ان کو عدالت میں گھسیٹ کر مزا چکھا دے۔ اس لئے وہ کسی دوسرے کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ وہ کہکر دیکھ لیں۔ کہ سرکاری مہمانخانہ میں پہنچ جاتے ہیں یا نہیں چونکہ خلافت کے مرتبہ اور اس کی حفاظت کی وجہ سے خلیفہ کے ہاتھ بندھے ہیں۔ اور وہ اس طرح اپنی عزت کی حفاظت نہیں کر سکتے جس طرح کہ ایک عام آدمی اپنی عزت کی حفاظت کر لیتا ہے۔ پس اُن کی اس پوزیشن سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔

سوئم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اگر مباہلہ کریں۔ تو کس بناء پر کریں۔ اور کس سے کریں۔ یا مقابل کون سی جماعت یا گروہ یا لوگ ہیں۔ جن سے مباہلہ کیا جائے۔ اور وہ کونسا الزام ہے۔ جس پر مباہلہ کیا جائے۔ مباہلہ کے لئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) مسنون طریق مباہلہ کا یہ ہے۔ کہ جو شخص مباہلہ کی درخواست کرے۔ اس کے دعوےٰ کی بناء ایسے یقین پر ہو۔ جس یقین کی وجہ سے وہ اپنے فریق مقابل کو قطعی طور پر مفتری اور کاذب خیال کرے۔ اور اس یقین کا اس کی طرف سے بصراحت اظہار چاہیئے۔ کہ میں اس شخص کو مفتری جانتا ہوں۔ نہ صرف ظن اور شک کے طور سے۔ بلکہ کامل یقین سے۔

(۲) مباہلہ میں دونوں فریق ایسے چاہئیں۔ کہ درحقیقت یقینی طور پر ایک دوسرے کو مفتری سمجھیں۔ اور وہ حسن ظن جو مومن پر ہوتا ہے۔ ایک ذرہ انکے درمیان موجود نہ ہو۔ جب تک یہ تمام شرائط پائی نہ جائیں۔ تو عندالشرع مباہلہ ہرگز درست نہیں۔ قرآن کریم کے منشاء کے خلاف اگر مباہلہ ہو تو ایمانی مباہلہ ہرگز نہیں۔ افغانی مباہلہ ہو تو ہو۔ (بغیر ان شرائط کے) اگر مباہلہ ہوگا۔ تو ہرگز کوئی ثمرہ مترتب نہیں ہوگا۔ اور ناحق غیر مذاہب والے ہنسی کریں گے۔" (مسیح موعود تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۵)

(۳) مباہلہ اس وقت جائز ہوگا۔ جب فریق مخالف یہ اشتہار دیں۔ کہ ہم اس شخص کو یقین کلی سے مفتری جانتے ہیں۔ اور ہم اس بات کے محتاج نہیں کہ یہ کہیں۔ کہ امر متنازعہ کی اصل حقیقت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بلکہ یقیناً اس کی سب اصل حقیقت ہمیں معلوم ہو چکی ہے۔

(۴) یہ تو ظاہر ہے۔ کہ جو شخص آپ ہی یقین نہیں کرتا۔ وہ مباہلہ کس بناء پر کرنا چاہتا ہے۔ مباہل کا منصب یہ ہے۔ کہ اپنے دعوے پر یقین ظاہر کرے صرف ظن اور شُبہ پر بنا نہ ہو۔ مباہل کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ اس امر کے بارے میں خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ وہی مجھکو یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے۔ تب مباہلہ کی بنیاد پیدا ہوتی ہے۔

(۵) درخواست کنندہ مباہلہ یہ کہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ یہ شخص کاذب اور مفتری ہے۔ اور اس یقین میں شک و شبہ کو راہ نہیں۔ بلکہ رویت کی طرح قطعی ہے۔ ایسا ہی مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ جو کچھ مینے سمجھا ہے وہ ایسا شک و شبہ سے منزہ ہے کہ جیسی رویت تب اس کے بعد مباہلہ شروع ہو۔ (الحکم ۱۴ر مارچ ۱۹۰۲ء)

اب بتاؤ کہ ان شرائط بالا میں سے جو حضرت مسیح موعودؑ کے اُنہیں دونوں حوالوں پیش کردہ مستریاں میں موجود ہیں۔ کوئی بھی شرط مستریوں کے مطالبہ مباہلہ میں پائی جاتی ہے؟ کیا مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کی بنا یقین پر ہے۔ اور اس یقین کا حسب شرائط بالا انہوں نے اظہار کیا ہے۔ یا عدالتوں میں حلفیہ بیان یہ دیا ہے۔ کہ وہ خلیفہ صاحب کے متعلق ہم کو ذاتی شکوک تھے۔ ان شکوک کیوجہ سے یا ہمی نہ جاتی ہوئی" (بیان محمد زاہد مورخہ ۱۴ر فروری ۱۹۲۸ء بعدالت نائب تحصیلدار بٹالہ) پھر ۲۶ر نومبر ۱۹۲۷ء کو بعدالت بھنڈاری صاحب مجسٹریٹ درجہ اول محمد زاہد نے یہ بیان دیا۔ کہ وہ عرصہ ڈیڑھ سال سے مظہر ایسی باتیں سنتا رہا ہے۔ جس سے مرزا محمود احمد صاحب کے متعلق شُبہ ہوا ہے۔ میں نے شُبہ نکالنا چاہا تھا۔ کہ درست ہے یا نہیں۔" پھر اسی عدالت بھنڈاری صاحب میں بمقدمہ ۳۰۷ یہ بیان دیا کہ وہ ہم کو انکے چال چلن کے متعلق شکوک ہیں۔" پھر مستری عبدالکریم برادر زاہد "قادیان کے فتنہ کی حقیقت" میں لکھتا ہے۔ کہ وہ ہمکو بعض واقعات کے معلوم ہونے پر میاں صاحب سے عقیدت کم ہو گئی۔ اگر ہم اپنی تسلی نہ کرینگے۔ تو یقیناً تمام عقیدت جاتی رہے گی۔" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عقیدت میں صرف کمی ہوئی ہے۔ بالکل نہیں جاتی رہی۔ اگر ان کو ان الزامات پر یقین کامل ہوتا۔ تو کیا معلوم ہوتے ہی تمام عقیدت نہ جاتی رہتی۔ مگر ؎ ابھی تلک ہے محبت کی اس میں بُو باقی۔ عقیدت ہے مگر کم۔ اور مباہلہ کے لئے یہ شرط ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ حسن ظن کا ایک ذرّہ باقی نہ ہو۔ ظن اور شک کا نام تک نہ رہے۔ شک و شبہ سے منزّہ ایسا یقین ہو جیسے آنکھوں دیکھی بات پر قطعی یقین ہوتا ہے۔ تب مباہلہ ہو سکتا ہے اور مستریوں کے دل میں سوائے شکوک اور شبہات اور کمی عقیدت کے وہ یقین جو مباہلہ کے لئے لازمی شرط ہے۔ قطعاً نہیں۔ پھر ایسے مشکوک اور مشتبہ شخصوں سے کس حکم شریعت کے ماتحت مباہلہ کیا جائے۔ اور کس سے کیا جائے۔ آیا محمد زاہد سے جو یہ بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے ایسی باتیں خلیفہ صاحب کے متعلق سُنیں جن سے انکے چال چلن پر شبہ ہوا۔ "میں نے شبہ نکالنا چاہا تھا" وہ لوگ جو محمد زاہد کو جانتے ہیں خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار یا دوست یا واقف خواہ پیغامی ہو یا ہندو خدا کو حاضر ناظر جانکر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ زاہد جیسے چال چلن کے لڑکے سے مباہلہ کیا جائے؟ یا عبدالکریم برادر زاہد کے ساتھ مباہلہ کیا جائے۔ جو اپنے پہلے اشتہار میں لکھتا ہے کہ ہمنے مباہلہ کا مطالبہ اس نیت سے کیا تھا۔ کہ وہ اگر وہ شکوک درست ہیں۔ جو میاں صاحب کے متعلق ظاہر کئے جاتے ہیں۔ تو یہ معاملہ صاف ہو جائے" یا مستری فضل کریم سے مُباہلہ کیا جائے۔ جو یہ لکھتا ہے۔ کہ شملہ میں چند لوگوں نے جن کا نام و پتہ نہیں۔ خلیفہ صاحب سے مباہلہ کے ذریعہ سوالات کو حل کرنا چاہا تھا۔ مگر آپ نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ سو یہ بڑے میاں تو صرف زاہد اور عبدالکریم اپنے بیٹوں کے جھولی بردار ہیں۔ نہ الزام لگانیوالوں میں نہ درخواست مباہلہ کرنیوالوں میں۔ لے دے کے صرف محمد زاہد موٹر ڈرائیور ہی رہ جاتا ہے۔ اور وہ جس حیثیت اور جس چال چلن کا لونڈا ہے۔ اس کو جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ لہذا جبکہ نہ الزام کا پتہ نہ مباہلہ کرنے والوں کا نام و نشان۔ نہ قطع و یقین و رویت کا اقرار ایسی صورت میں حضرت خلیفۃ المسیح کس حکم شرعی یا آیت قرآنی یا حدیث نبوی یا ارشاد مسیح موعودؑ کے ماتحت اس مباہلہ کے مطالبہ کو منظور کریں۔ یا احکامات قرآنی اور شریعت اسلامی کے خلاف خود مباہلہ پر آمادہ ہو کر ایک نئی شریعت بنائیں۔

چہارم۔ کیا قبل ازیں اسلام میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں یا نہیں؟ اگر آئے ہیں تو ضرور آئے ہیں۔ کیونکہ یہ صرف آج ہی کوئی طرفہ بات نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمیشہ مقدسین پر کسی نے غلط فہمی سے کسی نے عداوت و بغض سے کسی نے منافقت سے کسی نے حسد و کینہ سے وہ وہ الزام لگائے ہیں جن کو مسلمان سُنکر حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ایسے واقعات کا ذکر قرآن و حدیث و کتب اسلامیہ میں بالتصریح موجود ہے۔ لیکن مباہلہ کے مطالبہ کی کسی کو ضرورت نہ پڑی۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا واقعہ موجود ہے۔

حضرت یُوسفؑ پر الزام

کیا زلیخا عزیز مصر کی بیوی نے جس کی شخصیت مستریوں کے خاندان سے بدرجہا بالا تھی۔ اور جس کو اپنی عزت کا ان موٹر ڈرائیوروں اور مشین سیویاں بنانے والوں سے بہت زیادہ پاس ہو سکتا تھا۔ یوسف علیہ السلام پر اپنی ذات کی نسبت الزام نہیں لگایا؟ مگر دیکھو کہ یوسفؑ نے یہ نہیں کیا۔ کہ زلیخا سے مباہلہ کرتے۔ نہ زلیخا نے ہی مباہلہ کا مطالبہ کیا۔ بلکہ حضرت یُوسفؑ نے دلائل کو پیش کیا شہادت کو طلب کیا۔ کہ مابال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ ان ربی بکیدھن علیم ط ان عورتوں سے پوچھو۔ جو مجھے بدنام کرنے والی تھیں کیا وہ میرے جرم کی شہادت دیتی ہیں۔ مستریوں کے اصول پر تو انکو مباہلہ کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن انہوں نے جیل خانہ میں جانا قبول کیا۔ مگر مباہلہ یا مباہلہ جیسے کسی طریق سے اپنی بریت نہ چاہی۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا یوسف ثانی اور خدا کا محمود کس طرح اُس طریق پر کاربند ہو۔ جو یوسف اول نے بھی نہ کیا۔

افکِ عائشہؓ

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والے کون تھے۔ عصبۃ منکم صحابہ میں سے ایک جماعت جن میں سے مقدم اور پیشرو عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار تھا۔ دوسرا مسطح بن اثاثہ صحابی اہل بدر سے۔ تیسرا حسان بن ثابت مشہور صحابی۔ چوتھی ام المومنین زینبؓ کی ہمشیرہ حمنہ تھی۔ ایک طرف تو ان کو دیکھو کہ سوائے ایک منافق کے سب مومن اور باوقار معزز صحابی ہیں۔ دوسری طرف زاہد اور عبدالکریم کی دینی و دنیوی حالت پر نظر ڈالو۔ اور بتاؤ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگانے والوں اور مشین سیویاں کے مستریوں میں کتنا فرق ہے۔ اور پھر بتاؤ۔ کہ صدیقہؓ نے تو ایسے معززین صحابہ سے جو مومن تھے۔ اور باوقار کبھی نہ مباہلہ کیا نہ موکد بعذاب حلف اُٹھائی۔ مگر ان مستریوں سے جو نہ صحابی نہ صحابہ جیسے باوقار حضرت خلیفہ ثانی مباہلہ کریں۔ حضرت صدیقہؓ فخر عرب و عجم صاحب لولاک کی حرم محترمہ اس الزام کے متعلق کیا کرتی ہیں۔ اس الزام کو سُنکر بیمار ہو جاتی ہیں۔ رات دن روتی ہیں اپنی پاک دامنی پر قطعی اور کامل یقین ہے۔ الزام کو یقینی افتراء و جھوٹ سمجھتی ہیں۔ مگر مباہلہ کے لئے نہیں کہتیں۔ نہ کوئی حلف موکد بعذاب اُٹھاتی ہیں نہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی انکو مباہلہ کرنے کو فرماتے ہیں۔ نہ فریق الزام دہندہ کی طرف سے مباہلہ کا مطالبہ ہوتا ہے۔ بلکہ آنحضرت صلعم پوچھتے ہیں۔ کہ۔ اے عائشہؓ میں نے ایسا ایسا سُنا ہے۔ اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے۔ تو توبہ کر اور اللہ سے معافی مانگ وہ توبہ کو منظور کر لیتا ہے۔ اور اگر تو اس سے بری ہے۔ تو اللہ تجھے بچا لیگا۔ یہ موقعہ تھا کہ صدیقہؓ حلف موکد بعذاب اُٹھائیں۔ یا مباہلہ کریں۔ مگر وہ کچھ نہیں کرتیں۔ اور آپ یہ جواب دیتی ہیں۔ کہ اگر میں کہوں۔ کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میں سچی ہوں۔ تو یہ میرا کہنا تمہارے نزدیک کچھ کارآمد نہیں ہے۔ تم نے اس بات کا چرچا کیا۔ اور تمہارے دلوں میں یہ بات رچ گئی۔ اور اگر میں کہوں۔ کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ تو تم کہوگے اس نے اقرار کر لیا ہے اس لئے میں یعقوبؑ یوسفؑ کے باپ کی طرح یہی کہتی ہوں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فصبرٌ جمیل واللّٰہ المستعان علیٰ ماتصفونؔ صبر ہی کرتی ہوں۔ اور اللہ ہی مددگار ہے۔ اس پر جو تم بیان کرتے ہو" آخر خدا تعالیٰ کی طرف سے صدیقہ رضؓ کی بریت ہوتی ہے۔ اور آنحضرت صلعم پھر ان الزام دینے والوں میں سے حضرت حسانؓ۔ مسطحؓ۔ حمنہؓ تین کو حد لگاتے ہیں۔ جو آج اگر اسلامی حکومت ہوتی۔ تو یہی حال ستریوں کا بھی ہوتا؟

اب جو لوگ کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بغض۔ حسد و کینہ و تعصب میں مُبتلا نہیں۔ وہ ذرا افک بر عائیشہؓ اور افک بر خلیفہ رضؓ کا فرق بتائیں۔ کہ دونوں میں سے کونسا واقعہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور پھر خدا تعالےٰ کا ایسے بہتانوں کے متعلق جو ارشاد ہے۔ اس کو دیکھیں۔ پھر اپنے دلوں میں انصاف کرلیں۔ کہ افک محمودؓ کے متعلق ان کا کیا فرض ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

انّ الّذین جاء ُ بالافک عصبۃ منکم۔ لاتحسبوہ شرا لکم۔ بل ھو خیر لکم۔ لکل امرئٍ منھم مااکتسب من الاثم۔ والذی تولّٰی کبرہٗ منھم لہ عذاب عظیم۔

یعنے جن شخصوں نے یہ بُہتان لگایا ہے۔ وہ تم میں سے ہی کچھ لوگ ہیں۔ (کوئی آریہ۔ عیسائی۔ یہودی۔ یا غیر احمدی نہیں۔ بلکہ اسلام کے ہی دعویدار ہیں) تم اس کو بُرا نہ سمجھو۔ بلکہ اس میں تمہاری بہتری تھی۔ کہ دوست و دشمن۔ منافق و مومن کا پتہ لگ گیا۔ یاد رکھو۔ ان بہتان لگانے والوں کو حصہ رسدی گناہ کا بدلہ ملے گا۔ اور جس نے اس میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو تنبیہ کرتا ہے۔ کہ لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنین والمومنات بانفسھم خیرا۔ وقالوا ھذا افک مّبین ہ کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے سُنتے ہی اپنے بھائی بہنوں کی نسبت نیک گمان کیا۔ اور یہ کیوں نہ کہدیا۔ کہ "ھذا افک مّبین" یہ تو صریح تہمت ہے۔ پھر آگے الزام دینے والوں پر اس طرح غصہ کا اظہار فرماتا ہی کہ لولا جاء و علیہ اربعۃ شہداء اگر یہ افتراء پرواز سچے تھے۔ تو کیوں نہ اونہوں نے چار گواہ پیش کئے۔ (دیکھو یہ نہیں فرمایا۔ کہ کیوں نہ اونہوں نے مباہلہ یا حلف موکد بعذاب کا مطالبہ کیا۔ بلکہ چار گواہ رویت کے پیش کرنا اون کا فرض بتایا ہے۔) اور جب وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے۔ تو ان کو ہی کاذب قرار دیا۔ اور فرمایا۔ کہ فاذ لم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللّٰہ ھم الکاذبونؔ کہ گواہ نہ پیش کرنے سے وہ خدا کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ آگے اپنے فضل و رحم کا جو جماعت مومنین (اور جماعت احمدیہ) پر ہے اسطرح ذکر فرماکر کہ اگر خدا کی عنایت و مہربانی دین و دنیا میں تم پر نہ ہوتی۔ تو اس بہتان کے چرچا کرنیکا تم کو سخت عذاب ہوتا۔ جب تم اپنے منہ سے وہ بات نکال رہے تھے جس کا تم کو علم نہ تھا۔ (چہ جائیکہ مباہلہ اور حلف کا ہی مطالبہ کرنے لگ گئے۔) وتحسبونہ ھینًا وھو عند اللّٰہ عظیم۔ اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو۔ حالانکہ خدا کے نزدیک یہ تمہاری جُرأت بڑی گستاخی ہے۔ پھر دوبارہ مومنوں کو تنبیہ ہوتی ہے۔ کہ لولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا۔ کیوں نہ سُننے کے ساتھ ہی یہ کہا کہ ہم کو ایسی ناروا بات مُنہ سے بھی نہیں نکالنی چاہیئے۔ اور کیوں نہ اس بیہودہ بات کو سُنتے ہی تم نے کہدیا۔ کہ

ھذا بھتان عظیم۔ یہ تو بڑا بہتان ہی۔

آگے آئیندہ کے لئے خدا تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے۔

کہ یعظکم اللّٰہ ان تعودوا لمثلہ ابدًا ان کنتم مؤمنین ہ اگر تم مومن ہو تو پھر کبھی بھی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا۔ پھر جو لوگ ایسی افترا پردازیاں کرتے ہیں۔ انکو وعید سے ڈرایا ہے۔ کہ ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین اٰمنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاٰخرۃ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں۔ کہ فحش باتیں مومنوں میں پھیلا کر ایک فتنہ پیدا کریں۔ ان کو دردناک عذاب دنیا و آخرۃ میں ہوگا۔ ربّنا لا تجعلنا منھم واجعلنا من المومنین ہ آمین۔

ایک خدا سے ڈرنے والا دل جب اس ارشاد باری کو جو سورۂ نور سے ایسے بہتانوں کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ بنظر تدبر غور کریگا۔ تو اس کو زاہدی فتنہ کے متعلق جو فتنہ ستریان سے مشہور ہے۔ بجز یہ کہنے کے کہ "ھذا بھتان عظیم" "ھذا افک مّبین" کوئی دوسرا خیال ہی دل پر نہ آئیگا۔ اور وہ لوگ جو اس بہتان کے محرک اور انکے آلۂ کار ہیں۔ اگر وہ عذاب الٰہی سے بچنے کی خواہش رکھتے ہیں تو سوچ لیں۔ کہ ایسے افتراء کی موجودگی میں جب کہ عائیشہ صدیقہ رضؓ نے کوئی حلف یا مباہلہ کی درخواست نہیں کی۔ نہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے صدیقہ رضؓ کو مباہلہ یا حلف کے واسطے فرمایا۔ نہ الزام دہندگان کی طرف سے مباہلہ یا حلف کا مطالبہ ہوا۔ بلکہ خدائی حکم کے مطابق چار گواہوں کا پیش کرنا الزام دہندگان کا فرض قرار دیا گیا۔ اور بصورت نہ پیش کرتے چار گواہوں کے الزام دہندگان کو عند اللہ اور عند الناس کاذب سمجھا گیا۔ اور پھر انکو سزا تازیانہ دیگئی۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کس طرح ستریوں کے مطالبہ مباہلہ و حلف کو جو خلاف قرآن و شریعت ہے۔ منظور کرکے حدود اللہ سے متجاوز کرکے اپنے منصب خلافت کی توہین کریں؟

موسیٰؑ اور آنحضرتؐ پر منافقوں کے الزام

(۶) مولوی محمد علی امیر پیغامیاں لاہور اپنی اردو تفسیر کے صفحہ ۱۴۱۵ میں لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی منافقوں نے گندے الزام لگائے اور خدا نے آپؐ کو ہر الزام سے بری فرمایا۔ چنانچہ مولوی صاحب کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ "انہی جھوٹے قصوں کی تشہیر کرنیوالوں کے متعلق سورہ (احزاب) کے آخری رکوع میں یہ لفظ آتے ہیں۔ یاایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسٰے فبراہ اللّٰہ مما قالوا یہاں صاف بتادیا۔ کہ نبی کریم صلعم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حضرت موسیٰؑ کی طرح ان تمام باتوں سے بری ہیں اور مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ بھی سمجھا دیا۔ کہ غلطی سے ایسی باتیں خود مسلمانوں کے مُنہ سے نکلینگی"۔

"اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ پر معوذ باللہ زنا کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور اس آخری روایت کے مطابق بائیبل میں ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے ان پر ان کی کوشی بی بی کے متعلق کچھ الزام لگایا تھا۔ اور اس آیت کی شان نزول میں لکھا ہے۔ کہ یہ زینبؓ کے نکاح کے قصہ میں نازل ہوئی۔ تو یہ بات بھی بائیبل کے بیان کی مؤید ہے۔ اور حق بھی یہی ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر یہاں قطعاً مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلعم پر اسی طرح کا الزام لگایا گیا"۔

مندرجہ بالا تحریر مستریوں کے اوس امیر کبیر کی ہے۔ جو بقول انکے جماعت احمدیہ میں کافی وقار رکھتا تھا"۔ وہ اقراری ہے۔ کہ آنحضرتؐ پر بھی گندے الزام منافقوں نے لگائے۔ مگر مباہلہ اور حلف موکد بعذاب سے انکا فیصلہ نہیں کیا۔ کیا مستریوں جیسے الزام دہندگان جو اس وقت موجود تھے۔ یہ نہ کہتے تھے۔ کہ "شخصی عقیدت رکھنے والی جماعتیں کبھی کسی امر پر معقولیت سے غور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ ان کے ایمان کا دارمدار تو محض اپنے مرشد حقیقی کی ہر غلط یا صحیح آواز پر آمنا وصدقنا کا نعرہ بلند کرنا ہوتا ہے"۔ (انکشاف حقیقت صلہ) اور اب بھی وہ یہ کہینگے۔ کہ "یہ غلط ہے۔ کہ انبیاء پر ایسے الزامات لگے"۔ (انکشاف حقیقت صہ) لیکن آنحضرتؐ نے نہ تو الزام دہندگان سے مباہلہ کیا۔ نہ موکد بعذاب حلف کا مطالبہ ہوا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کس طرح مستریوں کے مباہلہ کے مطالبہ کو منظور کر کے سنت الرسول کے خلاف کریں۔

دیکھو اسلامی زمانہ میں کبھی ایسے الزامات پر مباہلہ یا حلف کا مطالبہ نہیں ہوا۔ رسول کریم صلعم نے بھی اپنی ذات کے متعلق اسپر عمل نہیں کیا نہ پہلے نبیوں میں سے کسی نبی نے ایسے الزامات پر حلف یا مباہلہ سے اپنی بریت کی۔ پھر کس طرح شریعت کے خلاف مطالبات کو پیش کر کے انکے پورے کئے جانیکی امید رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

(۷) حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص پر بدکاری کا الزام لگایا گیا۔ الزام لگانے والوں میں ایک جلیل القدر صحابی ابوبکرہؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے الزام لگانیوالوں سے چار گواہ طلب کئے۔ گواہ پیش ہوئے۔ ایک شخص نے گواہی میں کہا۔ کہ میں نے زنا کرتے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ اس پر دوسرے تین گواہ جن میں حضرت ابوبکرہ جلیل القدر صحابی بھی تھے۔ انہیں قذف کی حد لگائی گئی۔ کوڑے مارے گئے۔ لیکن کسی نے یہ نہ کہا۔ کہ حضرتؓ جبکہ تین گواہ رویت کے ایسے ہیں۔ جن میں ایک جلیل القدر صحابی بھی ہے۔ اور چوتھا صرف کسی قدر کمزور شہادت دیتا ہے۔ انکو کوڑے نہ لگاؤ۔ ملزم سے کہو کہ وہ مباہلہ کر کے اپنی بریت کرے۔ یا حلف موکد بعذاب اٹھائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو پر ضرور یقین کیا جائے۔ کہ وہ اس الزام کے نیچے ہے۔ اور تین گواہوں کو سزا سے بری کر دیا جائے۔ مگر وائے برحال مستریاں کہ حضرت عمر فاروقؓ مباہلہ کا مطالبہ تو الگ رہا۔ ملزم کو قسم بھی نہیں دیتے بلکہ الزام لگانے والوں کو سزا دے علاوہ آیندہ کے لئے شہادت سے بھی محروم کر دیا۔ اور فرمایا کہ لا تقبلوا لھم شہادۃً ابداً۔ حکم قرآنی کے رُو سے ان کی کسی امر میں آیندہ گواہی نہ لی جائے۔ پھر بھلا فاروق ثانی حضرت فضل عمر ایدہ اللہ بنصرہ شریعت کے کس حکم کی بناء پر مستریوں کے مطالبہ مباہلہ کو منظور کریں۔ اس کی کوئی نظیر اسلامی کتب سے پیش کرو۔ جس میں الزام دینے والوں نے خلاف قرآن وحدیث وسنّت خلفاء جس پر الزام لگایا ہو۔ اس کو مباہلہ کرنے یا حلف اٹھانے کے لئے کہا ہو۔ اور انکی یہ درخواست حق بجانب اور موافق شریعت سمجھکر قبول کی جا کر عمل میں لائی گئی ہو۔ تب یہ تمسک خلیفۃ المسیح کو اس طریق کی طرف بلایا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ پر الزام

(۸) جس طرح حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر منافقوں نے گندے الزام لگائے۔ اسیطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی سیاہ رو سیاہ دل منافقوں نے الزام لگائے۔ الہام ویل لھا ولبعلہا کو یاد کرلو کہ کس کے متعلق تھا۔ جس سے حضرت محمود خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے بدترین حاسد اور سخت تریں دشمن پیغامی بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ ایک الزام لگانے والے نے کہا۔ کہ اگر حضرتؑ قسم ہی کھا لیں۔ تو میں اعتبار کر لوں گا۔ مگر آپؑ نے مباہلہ تو رہا الگ قسم بھی نہیں کھائی۔ پھر آپؑ کا جانشین حقیقی مباہلہ یا حلف کا مطالبہ خلاف شریعت منظور کر کے مسیح موعودؑ کے خلاف کام کرے! اور پھر خلیفۃ المسیح کہلائے۔ اس لئے وہ ہرگز ایسا مطالبہ منظور نہیں کر سکتے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا فیصلہ

(۹) ایک اور واقعہ اسی قسم کا ہے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے خود فیصلہ کیا۔ اور وہ عورت جس کے متعلق جھگڑا اٹھا۔ اور اس کا خاوند ہی اب تک زندہ ہے۔ محمد افضل مرحوم ایڈیٹر بدر اور بعض دوسرے احمدی طاعون کی وجہ سے بڑی مسجد میں آ گئے تھے۔ اسوقت ایک عورت اور ایک مرد کی نسبت زنا کا الزام لگایا گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے الزام لگانیوالوں سے چار گواہ بروئے قرآن مجید طلب کئے۔ اور فرمایا۔ کہ جب تک ایسی شہادت موجود نہ ہو شرعاً کوئی مجرم نہیں قرار پاتا۔ اس مقدمہ میں ایک شخص کا اقرار بھی تھا۔ اور بعض گواہ تھے۔ مگر مسیح موعودؑ نے یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ جب تک چار گواہ رویت کے نہ ہوں۔ میں انکو بری قرار دیتا ہوں۔ اس وقت تک ایک فریق اور اس کا خاوند اور بعض الزام لگانے والے جن کو حضرت مسیح موعودؑ نے ملامت کی۔ اور دوسرے لوگ جن کے سامنے یہ فیصلہ ہوا۔ زندہ موجود ہیں۔ اب بتاؤ۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الحکم ۱۴ر مارچ والے خط کے حوالہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سُنّتِ خلفاء کا اثر قوم پر

(۱۰) انبیاء کے جانشین جو خلیفہ کہلاتے ہیں۔ ان کی حیثیت عام آدمیوں جیسی نہیں ہوتی نہ کسی انجمن کے پریسیڈنٹ یا کسی قوم کے امیر یا کسی گاؤں کے نمبردار و ذیلدار جیسی ہوتی ہے۔ کہ جن کا ہر قول و فعل واجب التسلیم اور دوسروں کے لئے اسوۂ نہیں ہوتا۔ خلفاء انبیاء کا ہر قول و فعل امور مذہبی میں ساری قوم کے لئے واجب العمل اور قابل اتباع ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ کہ میری سنت پر عمل کرو۔ اور میرے بعد میرے خلفاء الراشدین کی سنت پر چلنا۔ ایسا ہی خلافت احمدیہ کے قیام کے وقت بھی جو ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کا دن تھا۔ جب حضرت نورالدین اعظم رضی اللہ عنہ کو خدا نے حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ اول بنایا۔ اُن لوگوں نے جو آج "پیغامی" کہلاتے ہیں۔ ان ایم۔ اے اینڈ کو کے سب ممبروں نے یہ اقرار کرکے اخبار بدر مورخہ ۲/ جون ۱۹۰۸ء میں شائع کیا۔ کہ

"یہ حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا تھا"

اسی منہاج پر خلیفہ اولؓ کے بعد حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ کو خدا نے خلیفہ ثانی بنایا۔ اور آپ کو تمام جماعت نے باستثناء چند منکرین خلافت اپنا واجب الاطاعت امام و پیشوا تسلیم کیا۔ اور آپ کے ہر قول و فعل کو جو دینی امور کے متعلق اور حضرت مسیح موعودؑ اور شریعت کے ماتحت ہو۔ اپنے لئے قابل عمل سمجھا۔ ایسی صورت میں اگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مستریوں کے مطالبہ مباہلہ یا حلف کو جو صریح قرآن و احادیث و سنت رسول و سنت خلفاء اور اجماع امت اور سنت مسیح موعودؑ کے خلاف ہے۔ منظور فرما کر عمل کریں۔ تو آئندہ تمام قوم اور آنیوالے خلفاء کے لئے قیامت تک ایک ایسا غلط طریق ایجاد کردیں۔ جو سب کے لئے بطور نظیر قرار پاکر ہر ایسے موقع پر کہ جب کبھی کوئی بدمعاش کسی پر اس قسم کے الزام لگائے۔ وہ اس نظیر کو پیش کرکے اس کو مباہلہ یا حلف کی طرف بلائیں اور بصورت انکار اس کو ملزم سمجھ لیں۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ ساری جماعت اور سلسلہ کو ایک ابتلاء میں ڈال دیں۔ اس لئے ہرگز ہرگز اس مطالبہ جدیدہ کو منظور کرنا نہایت برے اثر اور بد نتیجہ کے پیدا ہونے کا موجب ہے۔ جو صریح گناہ ہے۔ اسی لئے تو حضرت خلیفۃ المسیح نے بابو عبدالحمید صاحب کے جواب میں یہی لکھا تھا۔ کہ "الفاظ قرآن فتوائے رسول صلعم سنت رسول صلعم اور عمل خلفاء و اجماع امت و فیصلہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعد جو شخص ایک نیا طریق اختیار کرتا ہے۔ اس کی نفسانیت اور شریعت کی بے حرمتی کی وجہ سے میں اس کا تابع نہیں ہوسکتا۔ اس سے زیادہ شریعت کی بے حرمتی ناممکن ہے۔ اور میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ اور میں اس مطالبہ کو اپنی تو الگ رہی ہر ایک شریف انسان کی خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ہتک سمجھتا ہوں"

علاوہ ازیں حضور نے اُس خط میں بابو عبدالحمید صاحب کو یہ بھی لکھا تھا۔ کہ "جس امر کو شریعت ناجائز قرار دیتی ہے جس امر کو انسانی شرافت ہتک سمجھتی ہے میں اس کام کو کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مجھے خلافت کے علاوہ بھی خدا تعالیٰ نے عزت دی ہے۔ ایک معزز خاندان سے پیدا کیا ہے۔ اور میری خاندانی شرافت بھی ایسے کمینہ حملوں کی طرف توجہ کرنے سے مانع ہے۔ اور میرا مذہبی مقام مجھے ان باتوں کا وہ جواب دینے سے منع کرتا ہے۔ جس جواب کے سوا ان حد سے گذرے ہوئے لوگوں کو کوئی اور جواب تسلی نہیں دیا کرتا"

پھر اسی خط میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے مباہلہ سے انکار کے وجوہات میں ارقام فرمایا تھا جس کا اول و آخر حصہ چھوڑ کر مستریوں نے بددیانتی سے صرف اتنا فقرہ لکھدیا۔ کہ میاں صاحب نے مباہلہ سے بے وجہ ہی انکار کردیا۔ اور لکھدیا۔ کہ "ایسا مباہلہ شریعت کے بالکل برخلاف ہوگا"۔ حالانکہ حضور نے مدلل طور پر لکھا تھا۔ کہ

"یاد رکھیں۔ کہ مباہلہ صرف انہی امور کے متعلق ہوسکتا ہے۔ جو اصولی ہوں۔ اور جن کے متعلق شریعت نے کوئی اور طریق فیصلہ نہ بنایا ہو۔ جو امور کہ معاملات سے تعلق رکھتے ہوں ان میں مباہلہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا مباہلہ شریعت کے برخلاف ہوگا۔ عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کرسکتی۔ کہ الزام لگانیوالے کے مقابلہ میں انسان مباہلہ کرے۔ کیا کوئی بھی شریف آدمی جسے ذرا بھی عزت خدا تعالیٰ نے دی ہو۔ یہ پسند کریگا۔ کہ وہ ایسے امور میں مباہلہ کرے۔ اسطرح کئی شریر النفس لوگ روز اُٹھکر لوگوں پر الزام لگا دینگے۔ اور جب انہیں ملامت کیجائے۔ تو کہہ دینگے کہ ملامت اور غصہ کی بات نہیں مباہلہ کرلو۔ اگر کسی شریف انسان سے ایک بدمعاش جاکر یہ کہدے۔ کہ اس کی بیوی سے اس نے زنا کیا ہے تو وہ آدمی اس پر ناراض ہوگا۔ یا اپنی بیوی سے جاکر کہے گا۔ کہ اس نیک بخت سے کھڑی ہوکر مباہلہ کر۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ دنیا میں سے ایک بھی شریف آدمی ایسا ملیگا۔ جو ایسے موقعہ پر اس الزام لگانے والے سفلہ اور کمینہ انسان پر اظہار خفگی کی بجائے اوسے بڑے اطمینان سے اپنی بیوی کے پاس لے جائیگا۔ اور جاکر اُس سے یہ مطالبہ کریگا۔ کہ تو اس سے مباہلہ کر۔ اس راستہ کو کھولکر دیکھو۔ کہ دنیا میں کسی شخص کی بھی عزت محفوظ نہیں رہتی پس یہ طریق عقل کے بالکل برخلاف ہے۔ اور کسی شریف انسان سے اس کا مطالبہ کرنا اس کی ہتک کرنا ہے"

اس تحریر کو دیکھو کہ کیا اس میں حضرت صاحب نے بلا وجہ ہی ایسے مباہلہ سے انکار کیا ہے۔ اور اس کو خلاف شریعت بغیر دلیل کے فرمایا ہے۔ یا مدلل کرکے سمجھایا ہے۔ پھر اسی خط میں دوسری

اطلاع:- یہ پرچہ کسی قدر زیادہ تعداد میں چھپوایا گیا ہے۔ ۲ فی پرچہ اور دو پیسہ محصولڈاک کے حساب سے دفتر فاروق سے جلد منگوالیں۔ یہ بہت جلد ختم ہو جائیگا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جگہ یہ لکھا کہ "شریعت نے مختلف امور کیلئے مختلف ذرائع فیصلہ کے مقرر کئے ہیں۔ ان سے باہر جاکر انسان اپنا جوش خواہ نکال لے یا دنیا کے سامنے سرخرو ہو جائے۔ لیکن خدا تعالےٰ کی نظر میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں" لہذا ظاہر ہے کہ اگر ایسا بے حقیقت اور خلاف شریعت مباہلہ کیا بھی جائے جسکی خدا تعالیٰ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔ تو اُس مباہلہ پر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خلاف شریعت ہوتے کیوجہ سے خدا کی ناراضگی کا موجب ہوگا۔ اور اپنوں اور بیگانوں کی ہنسی کا باعث۔ پس بوجوہات بالا کسطرح مستریوں کا مطالبہ مباہلہ یا حلف حضور منظور کر سکتے ہیں آخر کوئی دلیل شرعی تو بتاؤ کہ جسکی بنا پر یہ

مستریوں کے مُطالبہ حلف کا جواب

ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ

مستریوں کی طرف سے مباہلہ کے علاوہ ایک حلف موکد بعذاب کا بھی مطالبہ ہے۔ اگرچہ مباہلہ کے متعلق جو انکی علمی پردہ دری اوپر بفصلہ کی گئی ہے اس میں مطالبہ حلف کے ناجائز اور خلاف شریعت ہونیکا بھی فیصلہ کر دیا ہے لیکن انکے محررین اشتہار اور پمفلٹ پنا ہوں تے چونکہ حلف کے مطالبہ کی بنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک حوالہ پر رکھی ہے جس میں حضرت اقدس نے آتھم کو قسم کی دعوت دی تھی۔ اسلئے مناسب سمجھکر ہے علیحدہ بھی انکی سخن فہمی کی مزید داد دینے اور انکی مولویت کے دستار کو تار تار کرنے کے لئے کچھ مختصر لکھنا ضروری سمجھا۔ مستری اپنے اشتہاروں میں لکھتے ہیں کہ

"جناب مرزا صاحب ایسے معاملات میں (یعنی افک و تبین جیسے الزامات میں۔ فاروق) موکد بعذاب حلف کے بھی موید ہیں۔ اور اس کو ہی ایک فیصلہ کن طریق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے پادری آتھم کو کہا۔ کہ تم میعاد پیشگوئی میں ڈر گئے تھے۔ اگر تم نہیں ڈرے تو قسم کھاؤ۔ یہ کوئی صداقت اسلام یا صداقت احمدیت کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ ایک جزئی بات تھی۔ جس کیلئے آپ نے حلف کا مطالبہ فرمایا"

(انکشاف حقیقت صفحہ ۷)

پیغامیوں کی سخن فہمی

یہ ان لوگوں نے اگر نادانستہ لکھا ہے تو جہالت ہے۔ اور اگر جان بوجھ کر لکھا ہے تو بے ایمانی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایسے گندے الزامات کے فیصلہ کا یہ طریق بھی لکھا ہے۔ کہ جس پر الزام لگایا جائے۔ اس کو حلف موکد بعذاب سے اپنی بریت کرنی چاہیئے۔ جو بالکل جھوٹ اور محض افترا ہے۔ حالانکہ خود ہی اقراری ہیں۔ کہ آتھم کو اس امر پر قسم دینا چاہتے تھے۔ کہ وہ میعاد پیشگوئی میں ڈرا ہے یا نہیں۔ بھلا کجا کسی کو یہ کہنا کہ تو اسلامی پیشگوئی سے اگر دل میں نہیں ڈرا تو قسم کھا۔ کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے نہ کہ چشم دید شہادت سے۔ اور کہاں ایسا الزام جو رویت سے ثابت کرنا ضروری ہے۔

اور دوسری جہالت یا بے ایمانی ان کا یہ کہنا ہے۔ کہ عبد اللہ آتھم کو جس امر کے متعلق قسم دیجاتی تھی "وہ کوئی صداقت اسلام یا صداقت احمدیت کا مسئلہ نہ تھا۔ بلکہ ایک جزئی بات تھی" واقعی یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ حق کی دشمنی اور صادقوں کی مخالفت سے تمام علم مسخ ہو کر عقل ماری جاتی ہے۔ اور ایسا انسان اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر مُہر لگ جاتی ہے۔ کس قدر بدیہی بات ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کے حق میں جو پیشگوئی کی تھی۔ اس کی نسبت خود حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ "اب ڈپٹی آتھم صاحب سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا۔ تو کیا یہ خدا کی پیشگوئی ٹھہر گئی یا نہیں۔ اور رسول اللہ صلعم کے سچے نبی ہونے کے بارے میں محکم دلیل ہو جائے گی یا نہیں؟ اب اگر میں جھوٹا ہوں۔ تو میرے لئے سُولی تیار رکھو۔ اور اگر میں سچا ہوں۔ تو انسان کو خدا مت بناؤ" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۶۲) مگر مستری کہتے ہیں۔ کہ یہ کوئی صداقت اسلام کا مسئلہ نہ تھا۔

الغرض جب آتھم حسب شرط پیشگوئی رجوع کر کے میعاد پیشگوئی کے اندر فوت نہ ہوا۔ تو عیسائیوں اور انکے نیم عیسائی بھائیوں نے ایک طوفان بدتمیزی مچا دیا۔ کہ دیکھو مرزا صاحب کی پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ آتھم زندہ ہے مرا نہیں۔ تب حضرت مسیح موعودؑ نے یہ اعلان کیا۔ کہ مجھے بذریعہ الہام خدا تعالےٰ نے اطلاع دی ہے۔ کہ آتھم پر پیشگوئی کا رعب پڑا۔ اور وہ خدا سے ڈرا۔ اس لئے پیشگوئی کی رجوع والی شرط سے اس نے فائدہ اُٹھایا۔ اور اس کی موت میں اس وقت تک کہ وہ بیباکی سے تکذیب پیشگوئی کی طرف مائل ہو۔ مُہلت دیگئی۔

جب خدا سے یہ اطلاع پاتے ہی حضرت مسیح موعودؑ نے فوراً اشتہار شائع کر دیا۔ کہ خدا نے مجھے الہام سے اطلاع دی ہے۔ کہ آتھم پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہیبت الٰہی اور اسلامی پیشگوئی سے ڈر کر دل سے مسیحیت کا قایل نہ رہا۔ بلکہ اس خدا سے جو حقیقی خدا ہے ڈر گیا۔ اس لئے وہ موت سے بچ گیا۔ جیسا کہ پیشگوئی کا مفہوم تھا۔ تو اس اشتہار کے نکلنے پر آتھم کی طرف سے عیسائیوں اور نیم عیسائیوں نے اعلان کیا۔ کہ یہ غلط ہے۔ آتھم بالکل پیشگوئی سے نہیں ڈرا۔ نہ وہ اسلام کے خدا کی طرف ذرا بھی دل میں مائل ہوا۔ بدستور وہ الوہیت مسیح کا قائل رہا۔ اگر ایسا نہیں ہوا۔ تو مرزا صاحب اس کا ثبوت دیں کہ وہ دل میں مائل بہ اسلام ہو گیا۔ اور پیشگوئی سے ڈرتا رہا۔

اب دیکھو! کہ اگر عیسائیوں کے قول کے مطابق یہ امر صحیح ہو کہ آتھم دل سے الوہیت مسیح کا ہی قائل رہا۔ اور پیشگوئی نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ نہ اس نے دل میں رجوع کیا۔ تو حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی جھوٹی ہو کر جہاں ایک طرف اسلام اور بانی اسلام کی معاذ اللہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کذب پر دلیل ہوتی ہے۔ ساتھ ہی دوسری جانب حضرت مسیح موعودؑ کی تکذیب ہو جاتی ہے کہ پیشگوئی جھوٹی تھی۔ اور یہ محض حیلہ بنایا گیا ہے۔ کہ آتھم دل میں ڈر گیا۔ اور حسب شرط رجوع مندرجہ پیشگوئی بچ گیا۔ کوئی الہام وغیرہ اس کے ڈرنے کے متعلق خدا نے نہیں کیا۔

پس ایسی صورت میں حضرت اقدسؑ آتھم کے دل کی حالت کو کس خارجی شہادت اور انسانی گواہ کے ذریعہ ثابت کر سکتے تھے۔ کہ واقعی حضرت اقدسؑ کو خدا نے اپنی وحی کے ذریعہ اس کی دلی کیفیت کا پتہ دیا ہے۔ اور اگر یہ امر ثابت نہ کیا جاتا۔ تو یقیناً حضرت اقدسؑ اور اسلام کی سچائی ظاہر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کو "ایک جزئی بات" کہنا کسی یہودی یا عیسائی ہی کا کام ہے۔ کوئی مسلمان خصوصاً احمدی کہلانے والا تو کبھی بھی اس کو "جزئی بات" نہیں کہہ سکتا۔ جبکہ حضرت اقدسؑ خود اس کو اسلام کی اور اپنی صداقت کا مسئلہ بتاتے ہیں۔

سنو! حضرت صاحب آتھم کو خط میں لکھتے ہیں کہ

"اگر نعوذ باللہ یہ الہام الٰہی آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تو میں آپ کو اس ذات پاک کی قسم دیتا ہوں۔ جس نے آپ کو پیدا کیا۔ کہ عام جلسہ میں تین مرتبہ قسم کھا کر میرے روبرو اس کی تکذیب کر دیں کہ یہ الہام جھوٹا ہے۔ اور اگر سچا ہے تو اے قادر غیور خدا مجھکو سخت عذاب میں مبتلا کر۔ اور اسی میں مجھکو موت دے۔ تب میں آمین کہوں گا۔ اور رب العرش سے چاہوں گا۔ کہ میرا اور آپ کا قطعی فیصلہ کر دے۔ جو کچھ میں نے الہام سنایا ہے بجز خدا تعالیٰ اور میرے اور آپ کے دل کے اور کسی کو خبر نہیں۔ سو میں اسی مالک کی آپ کو قسم دیتا ہوں۔ کہ اگر آپ میرے الہام کے مکذب ہیں۔ تو میرے روبرو حلفاً اقرار مذکور کر کے

آسمانی فیصلہ کا دروازہ کھولدیں" (تبلیغ رسالت حاشیہ صفحہ ۱۳۳ جلد ۳)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ کہ قسم کے نہ کھانے سے یہ ثابت ہو گا۔ کہ عظمت اسلام ضرور انکے دل میں سما گئی۔ اور عیسائیت کے باطل اصول انکی نظر میں حقیر معلوم ہوئے"

(حاشیہ جلد ۳ تبلیغ رسالت صفحہ ۱۳۲)

مستریو! انکشاف حقیقت کا لکھنے والو اب بتاؤ۔ کہ یہ حلف کسی "جزئی بات" پر دیجاتی تھی یا اسلام اور احمدیت کی صداقت کا مسئلہ تھا؟

حضرت مسیح موعودؑ نے جب آتھم کو کہا کہ وہ حلف موکد بعذاب سے اس بات کا اقرار کرے۔ کہ اسلامی ہیبت اور پیشگوئی کی عظمت اور اسلام کی صداقت نے اس کے دل پر اثر نہیں کیا۔ بلکہ وہ پورے یقین کے ساتھ مسیح کو ابن اللہ اور خدا مانتا اور اسلام کو جھوٹا مذہب جانتا رہا۔ تو اس کو اس حلف کا معاوضہ کبھی ہم ایک ہزار۔ دو ہزار۔ تین ہزار۔ چار ہزار روپیہ تک پہلے دینگے۔ لیکن آتھم نے قسم کھانے سے اس بے بنیاد عذر پر انکار کر دیا۔ کہ عیسائی مذہب میں قسم کھانا منع ہے۔ تو حضرت صاحب نے انجیل و توریت سے اس کا ثبوت دیا۔ کہ مذہب عیسائی میں قسم کھانا منع نہیں ہے۔ بلکہ جائز ہے۔

اسی اشتہار چار ہزاری کا مندرجہ ذیل وہ حوالہ ہے۔ جس کو مستریان مشین سیویاں نے اپنی حماقت سے پیش کر کے حلف موکد بعذاب کا مطالبہ کیا ہے۔ اس اشتہار میں حضرت مسیح موعودؑ نے آتھم کو بتایا ہے۔ کہ تم پر ہمارا یہ الزام ہے کہ تم پیشگوئی کے ایام میں ہیبت اسلام سے ڈر کر رجوع بحق ہوئے۔ اور مسیحیت کا عقیدہ تمہارے دل میں نہ رہا۔ اس لئے تم موت سے بچ گئے۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے۔ تو حلف موکد ہمارے روبرو کھا کر اس الزام کو اپنے سر سے اٹھاؤ۔ کیونکہ

"ایک راستباز انسان جب کسی الزام اور شبہ کے نیچے آجاتا ہے۔ اور کوئی انسانی گواہی قابل اطمینان پیش نہیں کر سکتا۔ تو بالطبع وہ خدا تعالیٰ کی گواہی سے اپنی راستبازی کی بنیاد پر مدد لیتا ہے۔ اور خدا کی گواہی یہی ہے۔ کہ وہ اس کی ذات کی قسم کھا کر اپنی صفائی پیش کرے"

اوپر کے جلی الفاظ مستریوں کے مطالبہ کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں۔ کہ ایسے الزامات جن کا طریق فیصلہ قرآن مجید میں مصرح نہیں ہے۔ اُن سے علاوہ جو الزام ہوں۔ اور ان کے واسطے کوئی انسانی گواہی قابل اطمینان نہ میسر ہو جیسا کہ آتھم والے معاملہ میں حضرت صاحب کے پاس اس کے خوف زدہ ہونے پر الہام الٰہی کی شہادت کے سوا کوئی انسانی گواہی موجود نہ تھی۔ تو ایسے حالات میں حلف موکد بعذاب سے فیصلہ کیا جائے۔

سو اس حوالہ کی رُو سے اُن الزامات کا ہی فیصلہ چاہنا۔ جن کا قرآن شریف نے نہایت صراحت کے ساتھ طریق فیصلہ بیان کیا ہو۔ جیسے کہ یرمون المحصنٰت اور یرمون ازواجھم کی آیات میں مندرج ہے۔ خدا و رسول کے خلاف عمل کرنا اور شریعت اسلامی سے باہر نکلکر نئی شریعت کی بنیاد ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ پس عبداللہ آتھم والی قسم کو نظیر میں پیش کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ سے مطالبہ حلف کرنیوالا نہ صرف جاہل ہے۔ بلکہ جہل مرکب ہے جس کو اتنی بھی خبر نہیں۔ کہ آتھم کو قسم دینا۔ صداقت احمدیت اور صداقت اسلام کے لئے تھا۔ نہ کہ کوئی "جزئی بات"۔ البتہ آتھم کے چال چلن پر اگر کوئی ایسا الزام لگایا جاتا۔ جس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

متعلق شریعت نے طریق فیصلہ مقرر کر دیئے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ باوجود اس طریق فیصلہ کے موجود ہونے کے پھر اس الزام کے متعلق آتھم سے حلف مؤکد بعذاب کا مطالبہ فرماتے تو اس صورت میں آتھم کا معاملہ بطور نظیر کے پیش کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آتھم پر حضرت اقدسؑ کی طرف سے کوئی ایسا الزام نہ لگایا گیا تھا جس کا طریق فیصلہ شریعت میں موجود ہو۔ مگر حضرت صاحب نے یہ طریق حلف کا اس کے لئے مقرر کیا ہو۔

دُعا کرو اور خدا سے ڈرو

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ خدا نے مجھ جیسے ناتوان اور ضعیف انسان سے یہ خدمت لی اور مجھے توفیق عطاء فرمائی کہ میں محض رضائے الٰہی کے لئے شبانہ روزی محنت سے اس مضمون کو لکھا۔ اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو مفید اور نافع الناس بنائے۔ اور میری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین۔ مستریوں کے اہم مطالبات کا میں نے بفضلہ تعالیٰ پورا جواب دیدیا ہے اسکے بعد اگر انکو یا انکے کسی حمایتی کو جرأت ہوئی کہ اسکے خلاف قلم اُٹھائے۔ تو انشاء اللہ اس پر بھی پوری مستعدی سے نظر ڈالونگا۔ اور جواب دونگا۔ باقی جو فضولیات انکے اشتہاروں میں ہیں وہ اس قابل نہیں۔ کہ ان پر التفات کیا جائے۔ مگر تاہم میں آیندہ اشاعتوں میں ان پر بھی توجہ کرونگا۔ تاکہ ان کا ارمان باقی نہ رہے۔ بوجہ مصروفیت اس پرچہ کے میں "پیغام جنگ" لاہور اور "پیغام باطل" مستریاں پر کوئی نوٹس نہیں لے سکا۔ وہ سب میری پیش نظر ہیں انشاء اللہ "پیغام جنگ" کی رابعہ شناہی "پونچھ" (دُم) کو بھی اکھاڑ کر دکھاؤنگا۔ اور "ہو جائیگا" کی بھی "پیغام باطل" کو عنقریب حقیقت سمجھا دونگا۔ وہ منتظر رہیں۔

اب میں اس مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اس خط کے ایک آخری مضمون پر ختم کرتا ہوں۔ جو حضور نے بابو عبد الحمید صاحب کے جواب میں ۱۶ صفحہ کا لکھا تھا۔ مستریوں کے لونڈوں کو حضور نے نہ کبھی منہ لگایا۔ نہ وہ اس قابل تھے۔ کہ انکو مخاطب کیا جائے۔ نہ اہد اور عبد الکریم کو اپنی قیمت معلوم ہے۔ اور میں ان کو بتا دیتا ہوں۔ کہ وہ اس خیال کو کبھی دل میں جگہ نہ دیں۔ کہ ان کو منہ لگایا جائے۔

"ایاز قدر خود بشناس"

وہ مہر دین اور اُس جیسوں کے جلیس بنے رہیں۔ یہ رفاقت ان کو مبارک ہو۔ کہ وہ پہلے پیغامی بنے تھے۔ اب مرتد ہوتے جا رہے ہیں۔ عنقریب

دہریہ بن جائینگے

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ نے بابو عبد المجید صاحب شملوی کو اپنے ۲۱ر اکتوبر ۲۷ء کے گرامی نامہ میں فرمایا تھا۔ کہ "اگر مباہلہ جائز ہوتا تو مجھے مباہلہ سے عذر نہ ہوتا۔ لیکن انسانیت اور شریعت دونوں اس قسم کے مباہلہ سے روکتی ہیں۔ پس میں اس ناجائز فعل پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر پچھلے نشانات (صداقت) آپ کے لئے کافی نہیں تو کہتا ہوں۔ کہ نفسانیت سے الگ ہو کر خدا تعالیٰ سے دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سینہ کھولدے۔ (الحمد للہ کہ بابو صاحب نے اس خط کے بعد توبہ کر لی تھی۔ فاروق) اور دعا کرتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ آپ کا سینہ کھولدے۔ جس طرح عذاب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ رحمت بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ پس بجائے عذاب کے ہدایت کی تلاش کرنا ہو نا ممکن ہے۔ رحمت سے خدا تعالیٰ کی ہدایت طلب کریں۔ ہدایت کا یہی ایک راستہ ہے"

دُعاءِ مُباہلہ

"در آخر میں یہ بھی کہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ بعض امور میں مباہلہ جائز بھی ہوتا ہے۔ اگر بعض لوگ بغیر خدا کے غضب کو بھڑکانے کے تسلی نہ پائیں۔ اور میری اس نصیحت (بالا) کو قبول نہ کریں تو پھر میں کہتا ہوں۔ کہ یہ مسئلہ اسطرح بھی حل ہو جاتا ہے کہ میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں جزا اور سزا ہے۔ اور ذلت و عزت ہے۔ کہ **میں اس کا مقرر کردہ خلیفہ ہوں**۔ اور جو لوگ میرے مقابل پر کھڑے ہیں۔ اور مجھ سے مباہلہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ اسکی مرضی اور اسکے قانون کے خلاف کر رہے ہیں۔ اگر میں اس امر میں دہوکہ سے کام لیتا ہوں۔ تو اے خدا تو اپنے نشان کے ساتھ صداقت کا اظہار فرما۔ اب جس شخص کو دعویٰ ہو کہ وہ اس رنگ میں میرے مقابل پر آنے میں حق بجانب ہے (خواہ وہ رئیس الاشرار زمیندار ہو یا پیغامیوں کا "کبیرہم" امیر ہو یا کوئی اور اسی جنس کا شیر۔ فاروق) وہ بھی قسم کھائے۔ اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کر دیگا"

"پس یہ میرا خط آپکی تسلی نہ کرے۔ تو آپ کا اصل فرض یہ ہونا چاہیے کہ دوسرا خلیفہ کھڑا کر دیں۔ جو اپنی تقویٰ اور نیکی سے دنیا کو اپنی طرف کھینچ لے۔ پھر جو میرے مبائع ہیں انکو بھی خود بخود ہوش آجائیگی۔ اور آپکا کام آسان ہو جائیگا۔ لیکن یاد رکھیں کہ خدا کے کام کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خدا تعالیٰ میری مدد کریگا۔ اور **میرے ہاتھ پر اسلام کو فتح دیگا**۔ درمیانی ابتلاء اسکی سنت ہیں۔ اور میں انسے نہیں گھبراتا۔ وہ خود سلسلہ کا رکھوالا ہے۔ اور وہ خود اس کی حفاظت کریگا۔ میرا مقابلہ انسان کو دہریت سے ورے نہیں رکھیگا۔ خدا تعالیٰ کے اس قدر نشانوں کا انکار ایمان کو ضائع کر دینے کیلئے کافی ہے"

(۲۱ر اکتوبر ۲۷ء مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی (ایدہ اللہ بنصرہٖ)

خط کے اس حصہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی خلافت خدا کی مقرر کردہ خلافت بیان فرمائی ہے۔ جو سورۂ نور کی آیت استخلاف کے ماتحت ہے جسکی رو سے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کیلئے ایمان اور اعمال صالح اور تمکین دین اور امن بعد الخوف اور خالص خدا تعالیٰ کی عبادت اور ہر قسم کے شرک سے پاک ہونا شرط ہے۔ اور اسکے منکروں کو فاسق بتایا گیا ہے۔ پس جو شخص اسبات کا مدعی ہے کہ وہ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ برحق ہے اور خدا نے اسکو اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ اور اس میں لازماً وہ تمام شرائط جو خدا نے اپنے خلفاء کے لئے فرمائی ہیں موجود ہونگی۔ تب ہی تو خدا نے اسکو خلیفہ بنایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا اسبات پر مباہلہ کرنا کہ وہ خدا کے برحق خلیفہ ہیں اور خدا نے انکو اس منصب پر کھڑا کیا ہے۔ اپنے اندر ان تمام شرائط کے پائے جانے کو بھی مستلزم ہے جو ایک سچے خلیفہ کے لئے ضروری ہیں۔ پاکیزگی اور طہارت کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پردہ کے متعلق خسر اور داماد میں آویزش

مولوی محمد علی صاحب نے پردہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جس غیر مہذبانہ طریق سے مُسلمہ خواتین کی ہتک اور مفتی و پیر صاحبان کی تذلیل کی تھی۔ وہ نہایت قابل افسوس اور باعث حیرت تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک ایسا شخص جو مُفسّر قرآن کہلاتا ہے۔ ایک گروہ کا روحانی امیر ہونیکا مدعی اور حضرت عمر رضی کے سے اسرار شریعت سے واقف انسان کے نقش قدم پر چلنے کا دعویدار ہے۔ اسنے بجائے قرآن اور حدیث سے اپنی تائید میں دلائل دینے کے کیوں الزام تراشی اور بیہودہ گوئی شروع کر دی۔ لیکن ۱۴ر جولائی کے اخبار تہذیب نسواں میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا ایک مضمون پردہ کے متعلق پڑھ کر یہ حیرانی قطعاً دور ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب اپنے امیر قوم کے خُسر ہیں۔ اور جن ایام میں مولوی محمد علی صاحب نے پردہ کے متعلق اپنی پردہ دری کرانے کے لئے وہ مضمون لکھا جو اسر جولائی کے پیغام صلح میں شائع کرایا۔ ان دنوں میں نے ڈاکٹر صاحب کو مولوی صاحب کی کوٹھی میں ہی رہائش اختیار کئے ہوئے دیکھا۔ اس لئے ہو نہیں سکتا کہ اس خُسر اور داماد کے قریباً ہم عمر جوڑے میں پردہ کے مسئلہ پر تبادلہ خیالات نہ ہوا ہو۔

معلوم ایسا ہوتا ہے۔ جب مولوی صاحب اپنے انوکھے "خیالات" سے اپنے خُسر صاحب کو بھی متفق نہ بنا سکے۔ تو انہوں نے سمجھ لیا۔ اور کون ان کے دلائل کی معقولیت کا اعتراف کریگا۔ اسوجہ سے انہوں نے دلائل کو چھوڑ کر گالی گلوچ اور طعن و تشنیع کا وہ طریق اختیار کیا۔ جو دنیا کے رذیل ترین طبقہ کا خاصہ ہے۔ اور اس طرح اپنے خیالات سے اختلاف رکھنے والوں کو مرعوب کرنا چاہا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے خیالات پردہ کے متعلق ایک دوسرے کے بالمقابل رکھ کر دکھایا جائے۔ کہ ان میں کہاں تک اتحاد ہے۔

خُسر اور داماد میں اختلاف

مولوی صاحب کا بیان ہے۔ کہ

"قرآن نے ضروریات زندگی کی خاطر چہرہ کو پردہ سے مستثنےٰ کر دیا ہے" اور ضروریات زندگی میں ان کے نزدیک "سیر کے لئے نکلنا بھی داخل ہے۔ کیونکہ صحت جسمانی کے لئے اس کی ضرورت بھی ہے۔" لیکن اس کے مقابلہ میں ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ

"شریعت اسلام کی رُو سے ہاتھ اور چہرہ کا اتنا حصہ جس میں آنکھیں، ناک اور منہ ہو۔ کُھلا رہنا جائز ہے" گویا مولوی صاحب تو سارے چہرہ کو پردہ سے مستثنےٰ قرار دے رہے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب چہرہ کا ایک حصہ جس میں آنکھیں۔ ناک۔ مُنہ ہو۔ مستثنےٰ سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے ان کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ

"اگر کوئی شخص کسی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ بھی کھلا رکھنا نہیں چاہتا۔ تو اس کی مرضی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جس حد تک کھلا رکھنا جائز رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ نہ رکھے"

لیکن مولوی صاحب سارے چہرہ کو مستثنےٰ قرار دیکر جس حد تک کُھلا رکھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ کُھلا رکھنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں جس قدر اختلاف ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

مگر اس سے بھی زیادہ پُر لطف بات ایک اور ہے۔ اور وہ یہ کہ جن نامحرم رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنا مولوی صاحب کے نزدیک جائز ہے ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ان کے سامنے عورتوں کا بے پردہ آنا خلاف شریعت ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں جہاں پردہ کے متعلق دوسرے مفتیوں پر زبان طعن دراز کی تھی۔ وہاں خود مفتی بنکر یہ فتوےٰ دیا تھا۔ کہ

"اس معاملہ میں قرآن و حدیث کا حکم ہمارے سر آنکھوں پر ہونا چاہیئے۔ کم از کم میں تو اس حکم کے ماتحت اس امر کا جواز سمجھتا ہوں۔ کہ ہر مسلمان کے گھر میں چاہے وہ کتنے ہی سخت پردہ کا پابند ہو عورتیں بعض ایسے مرد رشتہ داروں یا غیر رشتہ داروں کے سامنے کُھلے مُنہ آجاتی ہیں۔ جن کا نام سورۃ نور میں محرم رشتہ داروں میں مذکور نہیں۔ جیسے خاوند کا بھائی (دیور) یا بہن کا خاوند (بہنوئی) یا بیٹی کا خاوند وغیرہ"

لیکن ڈاکٹر صاحب کا اس بارے میں یہ فتویٰ ہے کہ

"گھر کے اندر بہت سے رشتہ دار غیر محرم مردوں سے مطلق کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ شریعت کی رُو سے ان سے اسی قدر پردہ کا حکم ہے۔ جتنا ایک غیر رشتہ دار مرد سے۔ مثال کے طور پر ہمارے ہندوستان کے دیور اور بہنوئی ہے لو۔ دیور بھاوج اور سالی بہنوئی کی بے تکلفی اور دل لگی اور مذاق زمانے پر روشن ہے حالانکہ شریعت کی رُو سے دیور اور بہنوئی غیر محرم ہیں"

ان دونوں حوالوں سے صاف ثابت ہے کہ جن رشتہ داروں سے پردہ نہ کرنیکا جواز مولوی صاحب قرار دے رہے ہیں۔ انہی سے پردہ کرنا ڈاکٹر صاحب کے نزدیک شریعت کا حکم ہے۔ اب خسر اور داماد آپس میں تصفیہ کر کے بتائیں۔ کس کی بات شریعت کے مطابق اور کس کی خلاف شریعت سمجھی جائے۔

خُسر اور داماد کا تجربہ

کیا پردہ کے متعلق خُسر اور داماد کے اس اختلاف کی وجہ یہ سمجھی جائے۔ کہ مولوی صاحب چونکہ "گھر کے اندر" "سالی بہنوئی کی بے تکلفی اور دل لگی اور مذاق" کے عادی ہیں۔ اور ماشاءاللہ انہیں بہت سی سالیاں بھی میسر ہیں۔ اس لئے نہیں چاہتے۔ کہ سالی بہنوئی کی رنگ رلیوں میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ اور "امیر قوم" ہونے کی وجہ سے اس کے جواز کا فتوےٰ دے رہے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو چونکہ سالی اور بہنوئی کی بے تکلفیوں کا نہایت تلخ تجربہ ہے جس کا اظہار نہایت دُکھے ہوئے دل کے ساتھ انہیں بایں الفاظ کرنا پڑا ہے۔ کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

"گھر کے اندر کی بے تکلفیاں ایسا افراط و تفریط کا نظارہ پیش کرتی ہیں۔ کہ سخت قابل افسوس اور قابل اصلاح ہیں" اس لئے وہ سالی کا بہنوئی کے سامنے بے پردہ آنا خلاف شریعت قرار دیکر اس کی اصلاح کی ضرورت جتا رہے ہیں۔ ورنہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اپنے "امیر ایدہ اللہ" کے عقیدہ کے خلاف اس شدت سے آواز اُٹھانے کے لئے مجبور ہو جاتے۔

خسر کی داماد کو جھڑکیاں

ڈاکٹر صاحب اپنے مضمون کے آخر میں تو غیر محرموں (بہنوئی اور دیور وغیرہ) کے سامنے کھلے منہ عورتوں۔ کے آنے کو جائز قرار دینے والے پر برس ہی پڑے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"یاد رکھو غیر محرم پر زینت کا اظہار اسلام میں سخت ممنوع ہے۔ خواہ وہ غیر محرم گھر کے باہر ہو۔ یا گھر کے اندر (بہنوئی اور دیور) ہو۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ مطلب اپنی خواہشات کا اتباع ہے۔ اسلام کا صرف بہانہ ہے"

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے خلاف کس نے کہا ہے۔ کہ گھر میں غیر محرموں کے سامنے عورتوں کو کھلے منہ آنا جائز ہے۔ یہ کہنے والے مولوی محمد علی صاحب ہی تو ہیں۔ جنہوں نے لکھا۔ کہ "میں اس امر کا جواز سمجھتا ہوں۔ کہ بعض ایسے مرد رشتہ داروں یا غیر رشتہ داروں کے سامنے کھلے منہ آجاتی ہیں۔ جن کے نام سورۂ نور میں محرم رشتہ داروں میں مذکور نہیں۔ جیسے خاوند کا بھائی یا بہن کا خاوند" اس لئے ڈاکٹر صاحب کے یہ الفاظ انہی کے متعلق ہیں۔ کہ "وہ غلط کہتا ہے۔ مطلب اپنی خواہشات کا اتباع ہے۔ اسلام کا صرف بہانہ ہے"

"اپنی خواہشات کا اتباع" کے الفاظ ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب کی اس کوفت اور تکلیف کا پتہ دے رہے ہیں۔ جو گھر کے اندر "سالی بہنوئی کی بے تکلفی اور دل لگی اور مذاق" کے "نظارہ" سے ان کو پہنچ رہی ہے۔ اور دوسری طرف خسر کا اپنے داماد کے متعلق یہ فقرہ داماد صاحب کی عیش پرستیوں اور رنگ رلیوں کا ثبوت دے رہا ہے۔

ان حالات میں کیا مولوی صاحب مجھے یہ کہنے کی اجازت نہ دیں گے۔ کہ وہ نہ صرف باہر لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے ہیں۔ کہ عورت کا غیر محرم مردوں کے سامنے منہ کھلا رکھنا جائز ہے۔ بلکہ گھر کے اندر باوجود اپنے خسر صاحب کی مخالفت کے وہ اس پر عمل بھی کراتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جن کے وہ بہنوئی ہیں۔ کھلے منہ ہی نہیں بلکہ اپنے محاسن کو ظاہر کرتی ہوئی ان کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتی ہیں۔ اور مولوی صاحب ان میں بیٹھکر خوش ہوتے بلکہ ان سے ہنسنے کھیلنے میں مسرت محسوس کرتے ہیں۔

کیا مولوی صاحب بتائیں گے۔ گھر کے اندر غیر محرموں کے سامنے کھلے منہ آنے کے جواز کا انہوں نے جو فتویٰ دیا ہے۔ اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر کرتے ہیں۔ اور ضرور کرتے ہونگے۔ کیونکہ یہ گھر سے باہر کی بات تو ہے نہیں۔ جس کے متعلق وہ اپنے اندر طاقت نہ ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ بلکہ "گھر کے اندر" کی بے تکلفیاں ہیں۔ تو فرمائیں ان کے خسر صاحب کو اس بارے میں کیوں شکایت پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ کیوں اس طریق عمل کو "اپنی خواہشات کا اتباع" قرار دے رہے ہیں۔ کیا اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی اور ہے۔ کہ وہ آپ کے مفتی با عمل ہونے کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے ہیں۔

(راقم ڈلہوزی کا راہرو)

ازہاق الباطل مولوی محمد علی صاحب امیر پیغام کے سابقہ عقائد جن میں حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت و رسالت حقیقی کا اقرار ہے۔ قیمت ۲/

فرضی جاسوس کا فسانہ

ایک شخص فضل دین نام ایک دن ڈلہوزی میں محمد علی صاحب کی کوٹھی کے پاس سے گذرا۔ اس کا بیان ہے۔ اس خیال سے کہ جمعہ کا دن ہے۔ اور نماز کا وقت قریب۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے کہ کس قدر آدمی مولوی صاحب کے ہاں نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ کوٹھی کے احاطہ میں چلا گیا۔ مولوی صاحب کے کارندوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نیا اخلاص کیش آیا ہے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور بڑی توقیر کے ساتھ اس کمرہ میں جا بٹھایا۔ جہاں نماز پڑھی جاتی تھی۔ کوئی سات آٹھ آدمی جمع ہوئے۔ جن میں سے غالباً ایک مولوی صاحب کا حجام اور ایک کوئی اور تھا۔ ممکن ہے ان کا دھوبی ہو۔ باقی مولوی صاحب کی کوٹھی میں رہنے والے ان کے ملازم یا رشتہ دار تھے۔ وہ اسی وقت واپس آجانا چاہتا تھا۔ کہ مولوی صاحب نے خطبہ شروع کر دیا۔ اور دوران خطبہ میں اُٹھنا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ پھر وہ چلا آیا

اس کے متعلق مولوی صاحب کے داشتہ ایک پٹھان نے جس کا نام عبدالوہاب ہے۔ اور جسے شاید مولوی صاحب نے اپنا سلام کرانے کے علاوہ اس لئے رکھا ہوا ہے۔ کہ ہر اس شخص کے گلے پڑے جس کی طرف مولوی صاحب اشارہ کر دیں۔ کیونکہ یہ وہی شخص ہے۔ جو مرزا عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی وکیل کی تلاش میں اس لئے پھرتا رہا۔ کہ مولوی صاحب نے ان سے زبانی سلوک کرنے میں جس شرافت کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی تکمیل وہ ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے ایک مضمون پیغام میں شائع کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مضمون یا تو خود مولوی صاحب نے لکھایا۔ یا ان کی ہدایات کے ماتحت لکھا گیا۔ اس میں رونا یہ رویا گیا ہے۔ کہ اس شخص کو جاسوس بناکر بھیجا گیا تھا۔ اس بات کو ایسے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اپنی کوٹھی میں ضرور ایسی نامناسب اور ناروا حرکات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی سادہ لوح سے ان کی کوٹھی میں چلا جائے۔ تو چور کی ڈاڑھی میں تنکا کے مطابق انہیں اس کے جاسوس ہونیکا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ فتنہ انگیزی کی شرمناک حرکات کے ساتھ ان کی اس قدر بزدلی قابل تعجب نہیں۔ لیکن اس کا اظہار بے حد حیرت انگیز ہے۔

مولوی صاحب کو اتنا تو سوچنا چاہیئے تھا۔ کیا جاسوس ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ چند آدمیوں میں اس آزادی کے ساتھ جا بیٹھے۔ اور پھر اسے اتنا بھی معلوم نہ ہو کہ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنے سے ان کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ ان کا ہم خیال نہیں۔ اور جب عبد الوہاب کا سا خر دماغ اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "جاسوس اچھا نہ تھا" تو اسے جاسوس قرار دینا حد درجہ کی بیہودگی ہے۔

مولوی صاحب کو اپنے فتنہ انگیز اور شر خیز مضمونوں کی وجہ سے وہمی اور قیاسی جاسوسوں سے ڈرنے کی بجائے اس خدا سے ڈرنا چاہیئے جس کے قبضہ میں ان کی جان ہے۔ اور جس کے حضور ایک دن انہیں اپنی بداعمالیوں کی جوابدہی کے لئے پیش ہونا ہے۔

ایک سادہ طبع نوجوان پر جاسوسی کا الزام لگا کر اور اس کے متعلق بہت بیہودہ سرائی کرکے مولوی صاحب نے اپنے خیال میں بڑا تیر مارا ہوگا۔ مگر ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالکر تو دیکھیں۔ انکی کیا حالت ہے۔ ابھی پچھلے دنوں وہ اپنی کوٹھی میں ایک مدراسی کو اتار کر اس کی خوب آؤ بھگت کرتے رہے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح کی کوٹھی پر آیا۔ اور بڑے اخلاص ظاہر کرتا رہا۔ اگرچہ اس کی منافقانہ باتوں پر کسی نے التفات نہ کیا۔ وہ کوٹھی سے یہ کہہ کر کہ لاہور جاتا ہوں۔ موٹر ایجنسی کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اتفاقاً تھوڑی دیر کے بعد میں نے اوسے ڈاک خانہ کے پاس سے مولوی صاحب کی کوٹھی کی طرف جاتے دیکھا۔ اور بعد میں معلوم ہوا۔ وہاں وہ کئی دن رہا۔ اس کی بڑی خاطر تواضع کیجاتی رہی۔ اور مولوی صاحب کا خاص مقرب بنا رہا۔ کیا مولوی صاحب اس سے انکار کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی حرکات سے مولوی صاحب نے سمجھا ہوگا۔ انکے پیچھے کوئی جاسوس پھر رہا ہے ورنہ یہ محض فسانہ ہے جو گھڑ لیا گیا۔ (ایک واقف حال)

پیغامیوں کی ژولیدہ بیانی

چند "احسان فراموش" سلسلہ عالیہ احمدیہ سے برگشتہ ہوئے۔ اور ارتداد کی تاریک موت میں نمودار ہو کر "جمعیۃ احرار المسلمین" کے خانہ ساز نام کے ماتحت احمدیت اور اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ حق نہ مٹ سکا نہ مٹے گا گو دشمنان حق ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ انہی "تثلیث باطل" نے ۱۷ جون کی مبارک تحریک میں روڑا اٹکانے کی ناکام کوشش کی۔ اور "پانچ سواروں" میں شامل ہونے کے لئے اہل پیغام کا آلہ کار بن کر ایک ٹریکٹ قادیان کے نام پر شائع کیا جس کے جواب میں انجمن احمدیہ خدام الاسلام قادیان نے ایک ٹریکٹ بعنوان "جمعیۃ احرار المسلمین" کا شرمناک رویہ" شائع کیا۔ اس ٹریکٹ سے اس "نئی جھونپڑی" میں آگ لگ گئی۔ چنانچہ ڈیڑھ ماہ بعد بھی اخبار "پیغام حق" میں اس کے متعلق رونا رویا ہے۔ اور اپنی اخلاقی پستی کا پورا ثبوت دیا ہے۔ ہم ان مضامین کو قابل التفات نہیں سمجھتے۔ اور ہمیں کوئی شکوہ نہیں۔ کہ وہ گالیاں دیتے ہیں۔ وہ معذور ہیں۔ "استاد ازل" نے انکو جو سکھایا ہے۔ وہی لکھ سکتے ہیں۔ وہ تو ایک نے ہیں۔ جس میں لاہور سے ہی گھنونی آواز بھری جا رہی ہے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے۔ ع

دنیا ایامے چند آخر کار با خداوند۔

اس "پردہ نشین" مضمون نگار نے عیاری سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ہمارے ٹریکٹ میں ۱۷ جون کے جلسوں کی کامیابی پر ایک قادیانی اخبار کو ہی "گواہ" پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر افترا اور جھوٹ ہے۔ ہمارا ٹریکٹ موجود ہے جسمیں اس میں اخبار "منادی" (دہلی)، ہمدم لکھنؤ، اخبار کشمیری لاہور۔ رسالہ پیشوا دہلی۔ اخبار مشرق گورکھپور۔ اخبار حقیقت لکھنؤ اور اخبار تنظیم امرتسر ایسے معتبر اخبارات کی زبردست شہادت پیش کی گئی تھی۔ کیا ہمیں اس بارہ میں بھی اپنے "اعور العین" معاند کو معذور ہی سمجھنا چاہیئے؟ انہیں یاد رہے۔ کہ اگر انکو نظر نہ بھی آوے۔ تب بھی عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔

مضمون نگار کی نقالی کا بھی عجیب عالم ہے۔ ہمنے اس انجمن کو "نوزائیدہ" بغرض تعارف لکھا تھا۔ جس پر آپ نے شاید دل بہلانے کو ہمیں کئی بار ایک "نوزائیدہ مولوی فاضل" کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ "نقالی" انہیں مبارک ہو۔ ہم تو بے شک تعلیم حاصل کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی مولوی فاضل بنے ہیں۔ گو اس پر کئی سال گذر چکے ہیں۔ مگر کیا بتایا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ مولوی فاضل ہی چلے آتے ہیں؟ خیر اگر اس کہنے سے ان کی آگ "تطلع علی الافئدۃ" کم ہو سکتی ہے تو وہ شوق سے کہیں۔

جو خود "ارباب حل و عقد" کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن رہے ہوں۔ انہیں سارا جہان ایسا ہی نظر آتا ہے۔ (بشرطیکہ بصارت ہو) اور وہ کبڑی عورت کی طرح سب کو "احسان فراموش" ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ "احسان مندی" سے انہیں دور کی بھی نسبت نہیں ہوتی۔

نفس پرست کو یقین ہی نہیں آسکتا۔ کہ کوئی کام للہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ وہ ہر کام پُر "تنخواہ" یا انعام یا جیب پُری کا ہی متمنی ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو سمجھتا ہے۔ ؎

برایں عقل و دانش بباید گریست

شکست خوردہ حریف کی طرح مضمون نویس منہ بناتے ہوئے لکھتا ہے "نئی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے زیادہ تر بجائے شہروں کے دیہات کو پسند کیا گیا ہے۔"

اوّل تو کیا دیہات میں مخلوق آباد نہیں دوم کیا آپکے نزدیک دہلی۔ لکھنؤ۔ کلکتہ۔ الہ آباد۔ لاہور سیالکوٹ۔ کراچی۔ پشاور۔ انبالہ۔ مدراس۔ بنگلور

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رنگون۔ مانڈلے۔ جہلم۔ راولپنڈی۔ امراؤتی۔ ناگپور وغیرہ شہر نہیں۔ جہاں نہایت شاندار اور کامیاب جلسے ہوئے۔ جیسا کہ منادی۔ ہمدم۔ کشمیری۔ اور دیگر اخبارات کی شہادت سے ظاہر ہے۔ آپ کی اصطلاح میں شہر صرف امین آباد (ضلع گوجرانوالہ) اور امروہہ کو ہی کہتے ہیں ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آپ ہمیں "کاذب" "فحش گو" "کم حوصلہ انسان" "ناکام حاسد" "بدحواس" "گالیوں کا پلندہ" وغیرہ پاک الفاظ سے یاد کرنے کے بعد "زمیندارانہ پارسائی" کے ماتحت لکھتے ہیں۔

"کیا ہم سے بھی یہی توقع رکھی گئی ہے۔ کہ گالی کا جواب گالی سے دیا جاوے تو معاف رکھئے۔ ہمارا یہ مسلک نہیں" مثلاً بلکہ اپنے آپ کو "مہذب طبقہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلاں
کار طفلاں تمام خواہد شد

بایں دعویٰ "پارسائی" جب یہ حالت ہے۔ تو نا معلوم آپ کے ہاں "بد تہذیبی" کا کیا مفہوم ہے؟ "مبلغین کے" خود تعریفی رپورٹیں لکھنے کی بھی ایک ہی کہی کیا پانچسو مبلغ تھے۔ جو پانچ سو مقامات پر گئے۔ یہ تو المرء یقیس علی نفسہ والی بات ہے مگر ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

کارِ پاکاں را بہ مداں کردن قیاس
کار ناپاکاں بود اے بدحواس

غالباً اسی خواہش ریاء و سُمعۃ نے اس "احمدی نما" کو زمیندار کے فکاہات کی زینت بننے پر مجبور کیا ہے۔ (اللّٰھم طہّر قلوبنا من النفاق واعمالنا من الریاء)

مضمون نگار نے لکھا ہے۔

"ہمارا تو صرف یہی مطالبہ تھا۔ کہ کیا خلیفہ قادیان اپنے گذشتہ عقائد سے تائب ہو چکے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہ مسلمانوں کو کیونکر دعوتِ عمل دے رہے ہیں۔

اب بھی مختصراً ہمارا یہی مطالبہ ہے"

اس مطالبہ کا جواب ہم ٹریکٹ[لہ] مذکور میں مفصل دے چکے ہیں۔ اس کا کوئی جواب دیا ہوتا۔ مختصر یہ کہ ہمارے عقائد وہی ہیں۔ ان میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ اور نہ ممکن ہے۔ (الا ان یشاء اللّٰہ) پتھروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی جھنکار ہمیں حق و صداقت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ اس لئے یہ طمع خام تو چھوڑیئے۔ باقی رہا اتحادِ عمل کی صورت کا سوال۔ اس کے متعلق ہم مولوی ثناء اللہ امرتسری کے الفاظ پیش کر چکے ہیں۔ کہ

"ہم ان دونوں جماعتوں (احناف دیوبند و اہلحدیث) کو بالکل متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس بات کے ماننے میں ہمیں تامل ہے۔ کہ ان دو جماعتوں میں اختلاف اصولی نہیں۔ کیونکہ وجوب تقلید و عدم تقلید خود اصولی اختلاف ہے"

(اہلحدیث ۲۲ جون ۱۹۲۸ء)

جب باوجود اصولی اختلاف کے اتحادِ عمل ممکن ہے۔ تو پھر "خلیفہ قادیان" کی دعوتِ عمل پر یہ ناراضگی کیوں؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ دیکھئے ایڈیٹر صاحب پیشوا دہلی لکھتے ہیں۔

"میرا خیال ہے۔ کہ تعلیم یافتہ مسلمان معتقدات کی جزئیات سے آزاد ہو کر اتحادِ اسلام کے لئے تیار ہیں۔ مگر ملت اسلام کی اس زبردست تنظیم میں خود پرست اور غرضمند مُلّا نے (ہمچو مضمون نگار پیغام) اسلام کی آڑ لیکر حائل ہوتے ہیں۔ جن کو اسلامی تعلیم سے ذرہ برابر بھی واسطہ نہیں" (۸ جولائی ۱۹۲۸ء) کیا ہمیں امید رکھنی چاہیئے۔ کہ آئندہ کے لئے مضمون نگار بجائے دوسروں کی کاسہ لیسی کے خود ہی غور و فکر سے کام لیگا۔

(خاکسار اللہ دتا جالندھری مولوی فاضل قادیان)

مولوی محمد علی صاحب
عقائد باطلہ کی تاریکیوں میں

اہل پیغام بدقسمتی سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ۔ ع

ہم ہی میدانِ دلائل کے ہیں رَن بیروں سے

آج کل ایسی لایعقل اور بے بنیاد مگر پُر از تعصب اور دلآزار تحریروں سے "پیغام صلح" (بقول حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ "پیغام جنگ") بھرا ہوتا ہے۔ جن پر عقل بیٹھی سر دھنتی رہتی ہے۔ اور ایڑی سے چوٹی تک کا زور دامِ تزویر پھیلا کر سلسلہ حقہ احمدیہ کی مخالفت میں ان کی طرف سے صرف کیا جاتا ہے۔ غیر احمدی معاندین کی سلسلہ حقہ کے خلاف دلآزار کوششوں کی داغ بیل بھی انہی "مخلصین" ہی کی شبانہ روز سعی کا نتیجہ ہے جس طرح حق و صداقت کی بنیاد دلائل بیّنہ اور براہین قاطعہ اور نشاناتِ ظاہرہ پر ہوتی ہے۔ اسیطرح اہلِ باطل کے دعاوی سراسر مبنی بر تاویلاتِ رکیکہ و خیالاتِ فاسدہ ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے دعاوی کی تائید میں دلائل کی کمی "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے ماتحت انہی دور از کار تاویلات کو "ادلۂ معقولۃ الواضحہ" قرار دیکر پوری کرتے ہیں۔ اس کا تازہ نمونہ "پیغام صلح" ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء کا صفحہ ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود کا ایک رویاء "عقائد باطلہ کی تاریکیاں اور حضرت امیر ایدہ اللہ" کے جلی عنوان کے نیچے "حضرت امیر ایدہ اللہ" کی تائید میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک رویاء نقل کرکے راقم مضمون پھولے نہیں سماتے۔ کہ گویا خیبر فتح ہو گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضورؑ نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضورؑ کسی جگہ گھوڑے پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ حضورؑ کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ سخت اندھیرا ہے۔ آگے کچھ لڑکے ہیں۔ وہاں روشنی ہو گئی۔ لڑکے شور ڈالتے ہیں

[لہ] یہ ٹریکٹ دوبارہ طبع ہوا ہے جو کچھ نسخے باقی ہیں جس دوست کو ضرورت ہو صرف محصول ڈاک بھیج کر منگوا لیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ مولوی عبدالکریم صاحب آگئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم واقعی آگئے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے علیک سلیک کے بعد "مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے (حضرت مسیح موعودؑ کو۔ خادم) بطور تحفہ دی۔ اور کہا بشپ جو پادریوں کا افسر ہے۔ وہ اسی سے کام چلاتا ہے۔ وہ چیز اس طرح کی ہے جیسے کہ خرگوش ہوتا ہے۔ بادامی رنگ۔ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے۔ اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے۔ اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے جس سے قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔ میں نے کہا۔ میں نے تو یہ قلم نہیں منگایا مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔ میں نے کہا اچھا میں مولوی محمد علی صاحب کو دیدوں گا" (پیغام صلح ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء صکہ)

اس خواب سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ "تاریکی" سے مراد جماعت احمدیہ کے عقائد کی تاریکی ہے۔ اور قلم (معجز رقم) "دلائل" ہیں۔ جو "حضرت امیر ایدہ اللہ" کو عطا کئے گئے ہیں جس کا زور جماعت احمدیہ کے عقائد حقہ (بقول پیغام "عقائد باطلہ") کی تردید میں صرف کیا جا رہا ہے۔ اگر اس تعبیر کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ کہ "حضرت امیر ایدہ اللہ" کو "عقائد باطلہ کی تاریکیاں" دور کرنے کے لئے "قلم" دیا گیا ہے۔ اور اگر بقول پیغام "عقائد باطلہ" حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور جماعت احمدیہ کے عقائد ہیں۔ تو اس پر ایک سوال ہے۔ اور وہ یہ کہ پیغام کے "حضرت امیر ایدہ اللہ" پر ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء تک دو زمانہ گذر رہے ہیں۔

(۱) وہ زمانہ تھا۔ (جب یہ خواب حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا) جس میں "حضرت امیر ایدہ اللہ" کے بھی وہی عقائد تھے۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور جماعت احمدیہ کے ہیں۔ اس وقت آپ کے "قلم" کا زور حضرت مسیح موعودؑ کو نبی۔ رسول۔ "نبی آخر زمان" اور ھو الذی ارسل رسولہ کا مصداق قرار دینے میں صرف ہوتا ہی۔

(۲) دوسرا زمانہ وہ آیا جس میں آپ کا "قلم" مندرجہ بالا عقائد کے خلاف چلنے لگا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت سے انکار کر دیا گیا۔ اب مشکل یہ ہے۔ کہ ایک ہی "قلم" دو متناقض اور متضاد عقائد کے خلاف چلتا رہا۔ پہلے تو اپنے موجودہ عقائد کے خلاف اور اب اپنے ہی سابقہ عقائد کی تردید میں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے۔ کہ ان میں سے وہ "عقائد باطلہ" کون سے ہیں جن کی "تاریکیاں" دور کرنے کے لئے "حضرت امیر ایدہ اللہ" صاحب قلم بنائے گئے تھے؟

پیغام صلح گو صاف لفظوں میں نہیں۔ مگر دبی زبان سے ضرور اپنے "حضرت امیر ایدہ اللہ" کے سابقہ عقائد کو "عقائد باطلہ" قرار دیگا۔ کیونکہ اس نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے عقائد کو "عقائد باطلہ" قرار دیا ہے۔ جو بعینہٖ مولوی محمد علی صاحب کے سابقہ عقائد ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ "پیغام" مولوی صاحب کے سابقہ مگر ہم ان کے "موجودہ" عقائد کو "عقائد باطلہ" قرار دیتے ہیں۔ تو اندریں صورت تعبیر یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب کا قلم کسی زمانہ میں (جب حضرت مسیح موعودؑ نے وہ خواب دیکھا تھا) "عقائد باطلہ" کی "تاریکیاں" دور کرنے میں مصروف رہا۔ مگر جب وہ خود ہی ان "عقائد باطلہ" میں گرفتار ہو گئے۔ تو وہ قلم بھی ان سے چھن جانے کے مترادف ہو گیا ہے

فکر فی کلامی ثم فکر
ولا تنسلک کمرء لا یبالی

مگر یہ جو کچھ ہم نے لکھا۔ پیغام کی خود تراشیدہ (مذکورۃ الصدر) تعبیر کو (بالفرض محال) تسلیم کر کے لکھا۔ ورنہ اس خواب میں دس باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(۱) یہ وہ قلم ہے جس سے "بشپ جو پادریوں کا افسر ہے۔ کام چلاتا ہے"۔

(۲) یہ قلم خرگوش کی طرح ہے۔ اور خرگوش کے متعلق "تعطیر الانام" جلد اول صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے۔ "وقیل الارنب یدل علی رجل جبان وقیل الارنب فی المنام امرأۃ السوء" کہ خرگوش سے مراد بزدل آدمی ہوتا ہے۔ اور خواب میں خرگوش سے مراد بری عورت ہوتی ہے۔

(۳) اس نالی کے اندر ہوا بھر جاتی ہے۔ اور قلم ہوا ہی کے زور سے چلتا ہے۔

(۴) حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں "میں نے تو یہ قلم نہیں منگوایا"

(۵) جس چیز کو حضرت مسیح موعودؑ نے نہیں منگایا۔ اسے پیغام کے "حضرت امیر ایدہ اللہ" نے منگایا۔

(۶) حضرت مسیح موعودؑ کے "ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں"۔ اور "عورت" سے مراد خود پیغام نے بزدل لوگ لئے ہیں۔

(۷) جہاں عورتوں کا ذکر ہے۔ وہاں تاریکی مذکور ہے۔ مگر جب لڑکے دکھائی دیئے ہیں۔ وہاں روشنی ہو گئی۔

(۸) لڑکوں نے جو کچھ کہا۔ صحیح اور درست ثابت ہوا۔

(۹) قلم نالی کے آگے لگا ہوا ہے۔ اور نالی اندر سے خالی ہوتی ہے۔

(۱۰) حضرت مسیح موعودؑ نے وہ قلم مولوی محمد علی صاحب کو دیا نہیں۔

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس باتیں ہیں۔ جن کا خواب کی تعبیر سے بہت کچھ تعلق ہے۔ سو "حضرت امیر ایدہ اللہ" کا مخالفین سلسلہ کی مخالفت کے خوف سے یا ان سے چندہ کی عدم وصولی کے ڈر سے حضرت مسیح موعودؑ کی اصل تعلیم کو چھپانا "رجل جبان" اور "میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں" کی تعبیر کو واضح کر رہا ہے۔

قلم میں ہوا کا بھر جانا بتاتا ہے۔ کہ ان کے "جبن" (بزدلانہ) "عقائد" محض ہوائی خیالات ہونگے۔ اور قلم کا نالی کے آگے لگا ہونا بتاتا ہے۔ کہ وہ "عقائد" حقیقت اور اصلیت سے بالکل خالی اور [illegible] ہونگے۔ عورتوں کے ذکر کے ساتھ تاریکی کا ذکر بتاتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ عقائد باطلہ کی تاریکی ان خرگوش سیرت بزدل معاندین حق ہی کے قلموں کا نتیجہ ہوگی۔

اور صدیق لڑکوں سے مراد اس اولوالعزم اور حسن و احسان میں مسیح موعودؑ کے نظیر فرزند اور اس کی صدیق جماعت ہے جس کی نسبت فرمایا۔" وہ جلد جلد بڑھیگا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔" کیا اس میں بہت سے چھوٹے بڑے کئے جائیں گے۔ کی طرف ایک لطیف اشارہ نہیں ؟ (فافہم)

حضورؑ کا قلم کے منگوانے سے انکار کرنا ان پُر جُبن عقائد سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اور ایسی چیز کو مولوی محمد علی صاحب کا طلب کرنا ان کی حضرت مسیح موعودؑ سے علیحدگی پر نص صریح ہے۔

پس یہ خواب اہل پیغام کی امیدوں پر پانی پھیرنے والا اور ان کے عقائد کو باطل ثابت کرنے کے لئے بیّن شہادت ہے۔ اور باوجود اس تصریح کے حضرت مسیح موعودؑ کی غیر مصرح تعبیر کو پیش کرتے جانا فذھب وھلی انھا لیمامۃ او ھجرا کی رٹ لگائے چلے جانا ہے۔ پس اس میں اہل پیغام کے لئے خوشی کا کوئی موقعہ نہیں۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے مندرجہ بالا باتوں پر غور کرنے اور حق کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہے ؎

فیا حبتی تفکر فی کلامی
فان الفکر للتقویٰ وشاح

(ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی)

معذرت میں نے فاروق کے گذشتہ پرچے میں یہ اعلان کیا تھا کہ مسترلوں کے اشتہارات وغیرہ کے جواب میں فاروق کا خاص نمبر ۱۳ ستمبر کو ڈبل پرچہ کی صورت میں نکلیگا۔ مگر باوجود رات دن کی محنت کے پرچہ حسب وعدہ اسلئے نہ نکل سکا۔ کہ مضمون مباہلہ نامکمل رہ جاتا تھا۔ اس لئے ۱۲ صفحے اور ایزاد کرنے پڑے۔ اور یہ تین نمبروں کا مجموعہ ۳۶ صفحہ کا نکالا جاتا ہے بعض متفرق امور پیش کردہ مستریان کا جواب انشاء اللہ آئندہ پرچوں میں نکلتا رہیگا۔

وصیتیں

وصیت نمبر ۲۸۹۲ میں محمد ایوب خان ولد محمد یعقوب خان قوم یوسف زئی پیشہ ملازمت و زمینداری عمر ۶۲ سال بعیت اگست ۱۹۰۷ء ساکن مراد آباد ضلع مراد آباد بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ جولائی ۱۹۲۸ء کو حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) میری موجودہ جائداد ایک بیگہ زمین خام میرے نام ہے جو منجملہ ۶۵ بیگھ کی ہے۔ اور جس میں ۹ شریک ہیں۔ میرے ایک بیگھ کی سالانہ آمدنی ۸/ ہے۔ (۲) اس کے علاوہ مرزاپور کے علاقہ میں ۲۰۳ بیگھہ پختہ اراضی گورنمنٹ نے عطا کی ہے جس کو پانچ سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا لیکن بوجہ مالی مشکلات کے کاشتکاروں کا مہیا کرنا۔ اور وطن کا بھی نہ چھوڑنا غیر آبادی کا باعث ہے۔ صرف ایک کاشتکار اس اراضی کے ۵۰ بیگھہ رقبہ کی کاشت کرتا ہے۔ جو سالانہ لگان ۲۵ دیتا ہے۔ (۳) ماہوار پنشن ۸۰ اور انعام بہادری ۱۰ روزانہ کے حساب سے ملتا ہے

میں تا زیست اپنی آمدنی کا ماہوار ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور بوقت وفات میرا جس قدر ترکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جاویگی۔ فقط

العبد:۔ محمد ایوب خان بہادر لفٹنٹ موصی۔

گواہ شد:۔ محمد اللہ داد خان بقلم خود۔

گواہ شد:۔ محمد صاحبداد خان سب انسپکٹر پولیس

وصیت نمبر ۲۸۹۸ میں ڈاکٹر عمر الدین احمدی ولد محمد بخش صاحب قوم پسوال ساکن گجرات پنجاب حال وارد نیروبی کینیا کالونی کا ہوں بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (تاریخ پیدائش ۲۸ جولائی ۱۸۷۹ء بیعت ۳۰ جون ۱۹۱۵ء) میری موجودہ جائداد خود پیدا کردہ حسب ذیل ہے۔ (۱) دو مکانات پختہ متصل دارہ بلوچاں گجرات پنجاب میں ہے۔ (۲) تقریباً ۸½ بیگھہ اراضی چاہی جو واقعہ دھیر کے خورد ضلع گجرات پنجاب میں ہے۔ بعد میری وفات مذکورہ بالا ہر دو مکانات و اراضی کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میری تنخواہ ۱۰۶۰ شلنگ ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی تنخواہ یا پنشن کا جو بھی ہوا کریگی۔ اس کا دسواں حصہ ماہوار داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہونگا۔ اگر میری وفات پر میری کوئی اور جائداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم اپنی جائداد وصیت کردہ کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں۔ تو اسی قدر رقم اس کی قیمت میں سے منہا کردیجاویگی۔ یکم اگست ۱۹۲۸ء سے اس پر عملدرآمد ہوگا۔

العبد:۔ خاکسار عمر الدین احمدی موصی بقلم خود۔

گواہ شد:۔ غلام رسول پسر موصی بقلم خود۔

گواہ شد:۔ عبدالعزیز بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ۲۸-۷-۳۰

وصیت نمبر ۲۸۹۵ میں مبارک احمد ولد چوہدری عبدالرحیم صاحب قوم بھٹی راجپوت عمر ۲۲ سال پیشہ ملازمت ساکن قادیان دارالامان۔ حال بچوماریو اسٹیشن کینیا کالونی برٹش ایسٹ افریقہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶ جون ۲۸ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت کوئی نہیں۔ میری ماہوار آمد اس وقت ۱۵۰ شلنگ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔

العبد:۔ موصی مبارک احمد

گواہ شد:۔ عبدالسلام بھٹی ٹیچر گورنمنٹ انڈین سکول نیروبی کینیا کالونی ۲ جولائی ۲۸ء۔

گواہ شد:۔ (ڈاکٹر) عمر الدین احمدی پسوال۔